مکہ میں نجد نجد میں بیت الحرام ہے
بجنور میں مدینہ مدینہ میں شام ہے

سنہ ۱۹۳۳ء

مصنفہ

سید سمی الذبیحین غفراللہ لہ ولابویہ

مطبوعہ حمیدیہ پریس جانسٹھ ضلع مظفرنگر

دیباچہ

حامداً و مصلیاً - جملہ برادران اسلام کی خدمت میں التماس ہے کہ اسوقت جو ناگفتہ بہ حالت مسلمانوں کی ہو رہی ہے وہ صرف آپس کی نااتفاقی کی وجہ سے ہے - یہ گروہ بندی اور پارٹی بازی مسلمانوں کو کس قدر ضرر پہنچا رہی ہے - شیعہ سُنی - مقلد و غیر مقلدین کافروں کے نزدیک کوئی فرق نہیں وہ سبکو یکساں طور پر پائمال کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں - اور مسلمانوں کی یہ بے حمیتی ہے کہ ایک مسلمان دوسرے کی تباہی غیر مسلم کے ہاتھوں ہوتے ہوئے دیکھکر خوش ہے - مسلمانوں میں یہ بدبختی ہمارے لیڈروں - ایڈیٹروں اور مولوی مولاناؤں کی بدولت ہی - اُن کی شکم پری - نفس پروری و نام آوری مسلمانوں کو لڑاتے ہی رہنے میں ہوتی ہے - اسی کو وہ اپنا طرۂ امتیاز اور مایۂ صد فخر و ناز سمجھتے ہیں - خدا ایسے نام نہاد راہبروں اور مولوی ملانوں سے مسلمانوں کو پناہ دے - آج کل مناظرہ بازیاں - تمدن و سیاست کی اصلاحوں کی ریزولیوشن معاشرت و معیشت کی ترقیوں کی تجویزیں - کانفرنسیں - جلسے یہ سب اشغالِ نفس امارہ کے ذرائع ہو رہے ہیں - دل آزاری کا نام رواداری - شورش و فساد کا نام امن و صلح - تنزلی کا نام ترقی - خاک میں ملانے اور مٹا دینے کا نام اصلاح رکھا ہے -

سم کو تریاق - سمجھتے ہیں مرض کو صحت + درد کا نام جہالت نے دوا رکھا ہے

ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں قرآن مجید نے فرمایا ہے - واذا قیل لھم لاتفسدوا فی الارض قالوا انما نحن مصلحون الا انھم ھم المفسدون ولکن لایشعرون -

لوگ فسادی ہیں مگر ان کو شعور نہیں۔

مسلمانوں میں جو اختلافات تیرہ سو برس سے چلے آرہے ہیں۔ وہیں تک بس کریں۔ اس خلیج کو اگر کم نہیں کر سکتے تو اور زیادہ تو نہ بڑھائیں۔ کس قدر شرمناک بات ہے کہ ہندوؤں کے مختلف فرقوں میں اصولی اختلافات ہیں۔ کوئی مورتی پوجن کرتا ہے۔ کوئی مورتی کھنڈن کرتا ہے کوئی خدا کے وجود کا قائل کوئی اُس سے انکار کرتا ہے۔ لیکن وہ سب تو آپسمیں متفق و متحد ہو جائیں اور مسلمان جن کا خدا ایک اور وحدہٗ لاشریک۔ رسول ایک۔ کعبہ ایک۔ کتاب ایک۔ نماز روزہ حج زکوٰۃ سب میں اتفاق لیکن پھر معمولی معمولی باتوں میں کٹے مرتے ہیں ایک دوسرے کو کھائے جاتا ہے البتہ ابتک ایک امام حسین علیہ السلام سے ضرور ہمدردی ہے کہ اُن کی عزاداری میں سب مسلمان دل و جان سے شرکت کرتے ہیں اس بے ضرر اور بے گزند امر میں کیا سُنّی کیا شیعہ سب شریک ہیں اِس پُر درد و الم مظلومیت سے باستثنا ایڈیٹر صاحب اخبار مدینہ سب مسلمان متاثر ہیں اور اپنے رسولؐ کی اولاد کے صدمات و شدائد پر مغموم و محزون ہیں۔ محرم کا چاند دیکھتے ہی سُنّی شیعہ سب مسلمانوں میں صفِ ماتم بچھ جاتی ہے۔ اور اپنے اپنے طریقہ پر سب واقعات غم کے تذکرے شہادت امام مظلوم کی روایتیں پڑھتے اور دوسروں کو سناتے ہیں۔ دس روز برابر غم و الم میں زن و مرد سب گذارتے ہیں۔ یہ طریقہ سلف سے چلا آتا ہے۔ لیکن افسوس صد ہزار افسوس کہ سال پیوستہ اخبار مدینہ بجنور جو اپنے آپ کو حمایت دین اسلام کا علمبردار بتاتا ہے اور مسلمانوں کا خیر خواہ ہے کے ایڈیٹر جناب مولانا نصر اللہ خاں صاحب عزیز بی۔ اے نے ایک مضمون غم حسین کی مخالفت میں ایسا لکھدیا جو سنّی شیعہ سب کو یکساں ناگوار ہوا۔ ایڈیٹر صاحب نے اپنی انگریزیت کے زعم میں نئی تراش خراش کے شوق میں امور مذہبی میں بھی ترمیم و تنسیخ شروع کر دی۔ خدا و رسول کے احکام سلف صالحین کے طریقے اور علمائے کرام رضوان اللہ علیہم کے فتاویٰ ایڈیٹر صاحب کی کاٹ چھانٹ سے

انگریزیت ما کے سامنے عبث اور بیکار ہیچ و پوچ رہے - الحمد للہ کہ سُنّی شیعہ دونوں ہی کیطرف سے بکثرت جوابات - اُن کے مضمون کی رد میں پوسٹر - اشتہار رسالوں اور اخبار وں میں شایع ہوتے رہے ہمارا یہ جواب بھی جو ہدیہ ناظرین ہے اُسی وقت تیار ہو گیا تھا لیکن یہ سمجھکر کہ اڈیٹر صاحب کی ہر ہیہار طرف سے اچھی طرح لے دے ہو رہی ہے اِس کے شائع کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی - مگر اڈیٹر صاحب اِس کے بعد بھی چونکہ باز نہ آئے اور بعد کی اشاعتوں میں اِسی طرح کے مضمون دل آزار اِس شرعی مسئلہ کے خلاف لکھتے رہے کبھی اڈیٹوریل میں اِس واقعہ پر غم کی متانت کو خرافات سے مخلوط کرتے رہے اور کبھی "سہرا ہے" میں اِس واقعہ کی عظمت کا مذاق اُڑاتے رہے - کبھی عشرہ محرم کو رام لیلا کا دسہرہ بتاتے رہے - لہذا ہم نے مجبور ہو کر اِس جواب کو شایع کر دیا کہ کسی طرح تو اِس فتنہ و فساد کا آئندہ کے لئے انسداد ہو - ہم نے اوّل انکا مضمون مع اپنے مفید حواشی کے خطوط وحدانی میں رسالہ ہذا میں بقدر ضرورت نقل کر دیا ہے تاکہ اڈیٹر صاحب کی حمایت دین اسلام کے دعوے پر اچھی خاصی روشنی پڑ جائے - رسالہ ہذا کا دوسرا باب مدینہ کی بے ادبی جسمیں مدیر صاحب کی قابل داد و قابل اد انشاء پردازی کے مواد فاسد کو ایک ہلکا سا مسہل دیکر اصلاح مزاج کرنیکی کوشش کیگئی ہے - باب سوم کا نام فتاوی عزیزی ہے - اس باب میں مدیر صاحب کے انگریزی فتاوے پر مفصل تبصرہ ہے - امید ہے کہ ناظرین کرام ان ابواب ثلاثہ کے ایک ایک لفظ کو جتنا غور سے ملاحظہ فرمائیں گے ہماری نیک نیتی اور اپنی دلچسپی اور بصیرت افروزی کے کافی سامان پائیں گے - یقین ہے کہ جناب اڈیٹر صاحب بھی آئندہ کسی نئے فارمولا کے وضع فرمانیکی زحمت گوارا نہ فرمائیں گے - اور سنت ماتم گذاری کے انسداد کے بجائے ابواب نفاق و شقاق اور افتراق کو مسدود فرمانے کی کوشش فرمائیں گے - تاکہ ہمیں بھی اِس قدیم اور مسلمہ فریقین معمول کی بابتہ قلم اُٹھانے کی ضرورت پیش نہ آئے - واللہ ولی التوفیق - والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

اخبارِ مدینہ کا ایڈیٹوریل

اور

(ہمارا حاشیہ خطوط وجدانی میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدینہ

یوم دوشنبہ - ۶ محرم الحرام - ۱۳۵۰ھ

شہیدِ اعظم کی یادگار

جزع فزع اور ماتم یا فخر و مباہات اور مسرت

محرم الحرام کا مبارک اور سعید مہینہ آگیا۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں عالم اسلام کیلئے وقابل فخر و
مسرت اور لائق ابتہاج و انبساط واقعات پیش آئے۔ اسلام مکہ میں غریب تھا۔ مظلوم تھا۔
بے بس اور بیکس تھا۔ مسلمان مظلوم تھے۔ ظلم و ستم کے تختۂ مشق تھے۔ اپنے پروردگار کو ایک اور
"لاشریک لہ" سمجھنے کے ناقابلِ عفو جرم کی پاداش میں اُن پر کفار مکہ و مشرکین عرب کیطرف سے
وہ وہ مظالم توڑے جاتے تھے کہ ریگ کے خشک ذرے بھی کانپ اُٹھتے تھے۔ آسمان بھی فرطِ غم سے
رونے لگتا تھا۔ انسان الامان پکار اُٹھتے تھے۔ جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے تھے۔ دشمنوں کے
دل بھی نرم پڑ جاتے تھے۔ (اس پر ہمارا حاشیہ زیر عنوان "مدینہ کی بے ادبی" ملاحظہ فرمائیے)

مدینہ کی جانب اپنے رخشِ اقبال کی باگ موڑ دی۔ خداوند عزیز و حکیم کے وہ برگزیدہ اور محبوب بندے
رات کی تاریکی میں اپنے محبوب اور عزیز وطن کو چھوڑ کر اللہ اور اسلام کی محبت کو اپنے سینوں
میں چھپائے تمام متاعِ دنیا سے دستکش ہو کر گھر سے نکلے اور غار ثور میں تین روز قیام کر کے
مشرکوں اور ظالموں کے پنجے سے نجات پا کر ..... اس تمام انقلاب عظیم کی ابتدا ر
محرم الحرام سے ہوئی۔ اللہ اکبر کسقدر سعید مہینہ ہے کس قدر بابرکت مہینہ ہے (ہجرت کا
ماہِ محرم میں واقع ہونا اہل سیر و تاریخ کو تسلیم نہیں ہے۔ یہ مدینہ کی تاریخی بدعت ہے جس سے
اختلاف کرنے میں کسیکی دل آزاری نہیں ہو سکتی شرعی حیثیت سے ملاحظہ ہو یہی سُرخی)

فتنوں کا زمانہ | خلافتِ راشدہ کا دور ختم ہو گیا (راشدہ اور غیر راشدہ کی تعیین کس فائدہ کے
لئے کی گئی کیا بعد میں مسلمانوں کو رشد و ہدایت کی ضرورت نہیں رہی؟) حضرت علی رضی اللہ عنہ
(سلف صالحین کا طریقہ حضرت علیؓ کو کرم اللہ وجہہٗ کہنے کا ہے۔ یہ آپ کی نئی بدعت ہے) نے
پائی۔ حضرت حسن علیہ السلام (حضرت علیؓ کو رضی اللہ عنہٗ اور حضرت حسنؓ کو علیہ السلام
لکھنے سے باپ کو گھٹانا بیٹے کو بڑھانا اس کی وجہ تفصیل کیا ہے؟) نے غداروں اور بے وفا کوفیوں
کی شرارتوں سے تنگ آ کر اختلاف امت سے گھبرا کر مصالحت اور مفاہمت کیلئے بیچین ہو کر
(اور امیر معاویہ کی ناقابل برداشت پولیٹکل چالوں سے پریشاں ہو کر) اختیارات حکومت
وسلطنت امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ کی سپرد کر دئے اور خود مدینہ کے اسی مرکز حق و صداقت
میں آکر جاگزیں ہو گئے۔ جس کی خاک کو ازل ہی سے اس شرف کے لئے منتخب کر لیا گیا تھا۔
اس کے بعد حضرت معاویہ نے یزید کی جانشینی کے لئے (صلحنامہ کی شرائط سے خلاف ورزی
کر کے) صحابہ سے دریافت کیا۔ لیکن اصحاب رسالت رضی اللہ عنہم کا ایک ہی جواب تھا کہ
اسلام میں خاندانی جانشینی کا کوئی وجود نہیں (جیسے کہ جمہوریت اور اکثریت کا کوئی وجود

نہیں حسبِ تصریح مورخین اہل سنت یزید کی جانشینی پر سوائے عبداللہ ابن زبیر اور حسینؑ بن علیؑ معہ دیگر بنی ہاشم کے اور سب رضامند ہو گئے تھے) یہ قیصر و کسریٰ کی سنت ہے۔ عمرؓ و ابو بکرؓ کا اُسوۂ حسنہ نہیں ہے (ترتیب خلافت یہ نہیں ہے لیکن اس اُسوۂ حسنہ کے لحاظ سے بیشک عمرؓ ابو بکرؓ پر مقدم ہیں) اپنا امیر منتخب کرنا حلقہ بگوشان اسلام کا کام ہے نہ کہ بر سر حکومت کا (لیکن حضرت ابو بکرؓ نے بر سر حکومت ہو کر آپ کی اس تجویز پر عمل نہیں کیا اور بجو حق آپ حلقہ بگوشان اسلام کو مرحمت فرما رہے ہیں بر سر حکومت نے وہ حق خود لے لیا اور حضرت عمر کو مسلمانوں پر بذریعہ استخلاف خود مسلط کر دیا تھا)

ابتک اختلافات اپنی ذات تک محدود تھے (اگر ایسا تھا تو جنگ جمل اور جنگ صفین جو اس سے پہلے ہو چکی ہیں کن فریقوں میں ہوئیں؟) اب انہوں نے خاندانی مناقشہ کی صورت اختیار کر لی۔ امیر معاویہ خلافت ملوکی کو جس طرح بنا پورا کر کے اپنے رفقائے قدیم سمجھا لئے (کیا خلافت ماسبق بھی خلافت ملوکی ہی تھی؟ ورنہ پہلے خلفا ان حضرت کے رفقائے قدیم کیونکر ہوئے!) (اور مصافِ حیات میں یزید و امام حسینؑ (یزید کا نام پہلے اور حسینؑ کا پیچھے یہ تقدیم و تاخیر ملحوظ رہے!) حکومت و خلافت کا فیصلہ کرنے کے لئے باقی رہ گئے تھے۔ دمشق اموی جاہ و جلال کا مرکز تھا۔ "دولت کی فراوانی تھی" "تالیف قلوب کے سلسلے تھے" "شان و شوکت کی دھوم تھی" "ایمانوں میں کمزوری آنے لگی تھی" "ارباب حکومت کا رعب اور لحاظ دلوں پر طاری ہونے لگا تھا" "کلمہ حق کے اظہار کا جذبہ مٹ رہا تھا" "یہ فتنوں کا زمانہ تھا" "آزمائشوں کا دور تھا" "حق و باطل پھر مصروف جنگ تھے" (حق کون تھا؟ اور باطل کون؟ کیا یزید آپ کے نزدیک بھی حق پر تھا؟ ناموں کی تقدیم و تاخیر آپ کے اسی خیال

... اگر حسینؑ حق پر تھے اور یزید باطل پر تو حلقہ بگوشان اسلام نے خود

امیر کے لئے جاہ وجلال، فراوانی دولت، تالیف قلوب، شان وشوکت کی دھوم، ایمان کی کمزوری، ارباب حکومت کا رعب اور جذبۂ اظہار حق کا مٹتا جانا ذرائع ہیں)

منظرِ عجیب | عین اُس وقت جبکہ حکومت کا وقار زبانوں کو اظہار و اعلان حق سے باز رہنے کی عادت ڈال رہا تھا (آج سے یا کچھ مدت پہلے سے ؟) جب دوستیاں (یاریاں) اور محبتیں سچائی کو اپنے کثیف پردوں میں مستور کرنے لگی تھیں، دنیا کی محبت، مال و جان کا عشق، اور سود و زیان کی مصلحت اندیشیاں اس نور توحید کو ماند کرنے لگی تھیں جو خاصۂ اسلام ہے۔ حریت کے حسین و جمیل چہرے کی رعنائیاں کم ہونے لگی تھیں (ہماری اور ایڈیٹر صاحب کی رائے میں یہی بڑا فرق ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ سب باتیں آج ایک روز میں نہیں ہونے لگی تھیں بلکہ اس عمارت کی بنیادیں مدتوں پہلے سے قائم ہو چکی تھیں۔ اُموی جاہ و جلال، دولت کی فراوانی، شان و شوکت، ضعف ایمان، ہوتے ہوتے ہوتا ہے۔

(Rome was not built in a day) اس انقلاب عظیم کی کوئی حد ہے۔ وہ آلِ رسولؐ جس کی خاک کف پا کو طوطیائے چشم بنانے پر دنیائے اسلام فخر کرتی تھی اب وہی مسلمانوں کے نزدیک کشتنی۔ گردن زدنی اور سوختنی ہیں۔ کیا یہ انقلاب ایک دو دن کا کام ہے ؟ ؎

دورہا باید کہ در اسلام باشد انقلاب + دشمن دیں بر سریر و صاحب دیں در محن

پھر فرماتے ہیں) عین اُسوقت وہ دمان رسالت کا معزز ترین چشم و چراغ اس ابتلار و فتنہ کے زمانہ میں اُٹھا (جیسے کہ اس سے پہلے ابتلار و فتنہ کے زمانہ میں اُن کے بھائی اور باپ اُٹھے تھے وہ بھی فتنہ کو فرو کرنیکے لیئے ہر ممکن طریقہ استعمال کرتے رہے۔ جنگ بھی کی اور مصالحت بھی صرف ایک طریقہ قربانی۔ شہید ہو جانے۔ بچوں کو ذبح کرا دینے اور پسماندگان کو اسیر کرا دینے کا

اور باقی رہگیا تھا جس کے لئے دستِ قدرت نے اُس کو اِس رُوز کے لئے چن رکھا تھا حسینؑ بن علیؑ فاطمہ زہرا کی گود کا لال دنیا محاورہ ہے، اپنے تنہا اور کمزور (نہیں زبردست اور حق پرست) ہاتھوں میں جمہوریت حقہ کا علم لیکر مکّہ سے نکلا (جمہوریت حقہ کی بھی ایک ہی کہی۔ جمہوریت تو یزید کی طرف تھی تو وہی برحق ہوا) اور میدان کربلا میں جاکر خیمہ زن ہوگیا (خود جاکر خیمہ زن ہوگیا یا گھیر کر جمہوریت نے مجبور کیا؟) تمام دنیا کی آنکھیں اُٹھکر اِس منظر کو (ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم) دیکھنے لگیں۔ بہتر افراد کا ایک قافلہ سالار جس کے ساتھ زیادہ تر عورتیں اور بچے ہیں صبر و استقامت اور ایمان و توکل اور جرأت و شہادت کا پیکر بنا ہوا ہزارہا مسلح اور تیغ بکف کوفیوں (اور اس سے بھی زیادہ شامیوں) کے سامنے سینہ سپر کھڑا ہے۔ اللہ اکبر کسقدر عجیب منظر ہے (جمہوریت حقہ بہتر میں تھی یا ہزارہا میں۔ حق پر مسلمانوں کی اکثریت تھی یا اقلیت؟)

واقعۂ کربلا ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن ایک شے اُس کے دلکو بیچین کر رہی ہے وہ مُسلمانوں کی تلواروں کو مسلمانوں کے خون سے رنگین نہیں دیکھنا چاہتا (وہ مسلمان نہیں جس کی تلوار مومن یا کسی مُسلِم پر اُٹھے۔ مسلمان کی تلوار کافر کے خون سے رنگین ہوگی یا منافق کے۔ لہذا ایسی جنگوں کے دونوں فریق مسلمان نہیں ہوسکتے۔ مسلمانوں کے مقابل یا منافق ہوگا یا کافر۔) حضرت امام حسینؑ بار بار دشمنوں سے کہتے ہیں مجھسے جنگ نہ کرو۔ میرا راستہ چھوڑدو تاکہ میں مکّہ معظمہ چلا جاؤں یا مشرق کی جانب سرحد خراسان پر خوارج سے جہاد و قتال کروں یا یزید سے ملکر مسئلہ خلافت کو طے کروں لیکن جُہلا کا وہ طبقہ جو ہر مسئلہ کو بنوک شمشیر فیصل کرنا چاہتا ہے اِس گفتگو کے مصالحت پر کان نہیں دھرتا (کیا یہ جُہلا کا طبقہ بھی مسلمان تھا۔ علیؑ و آل نبیؐ کا دشمن فرزند علیؑ کی مصالحت پر کان نہ دھرنے والا جُہلا کا طبقہ جو اتنا جاہل کہ اونٹ و اونٹنی میں شناخت نکرے۔ امیر معاویہ کی یہ دھمکی اُن کے خلف الرشید حضرت یزید علیہ ما علیہ نے پوری کی۔ یہ شامی معاویہ شاہی

جاہل تھے یا نہیں ؟ جو ہر مسئلہ کو بنوک شمشیر فیصل کرنا چاہتے ہیں - یزید کی جانشینی کے منوانے
پر امام برحق کا خون بہانے ہی کو فیصلہ حق سمجھتے ہیں - کیا یہ جہلا یزید و معاویہ اور بقول آپ کے معاویہ
صاحب کے رفقائے قدیم کے ماننے والے نہیں ہیں ؟) جہلا کا طبقہ مصالحت پر کان نہیں دھرتا اور
کہتا ہے نہیں مصالحت کی بات چیت بیکار ہے - کوئی نیا فارمولا وضع نہیں کیا جا سکتا (یعنی
جہالت کا فارمولا قدیم ہے اور اس سلسلہ کے صاحب خلافت ملوکی معاویہ اور اُن کے رفقائے
قدیم کا اسوۂ حسنہ ہے - لہٰذا اس کے خلاف امام برحق امام حسینؑ جو تجویز پیش کریں وہ نیا فارمولا
وضع کرنا اور جدید تجویز پیش کرنا ہے جو اس سے قبل نہ اُن جاہلوں نے سُنا تھا نہ کبھی دیکھا تھا کیونکہ
قدیم فارمولے اور وضع کے ہوتے تھے) فیصلہ ہو چکا ابن زیاد کی بارگاہ سے قرارداد مرتّب ہو چکی
(واہ مدیر صاحب ! بڑی خوبی سے یزید کو الزام سے بچائے لیتے ہو - ابن زیاد نے کیا بغیر حکم یزید اپنی طرف
سے یہ قرارداد مرتّب کی تھی - "مصافِ حیات میں یزید و امام حسین علیہ السلام حکومت و خلافت
کا فیصلہ کرنے کے لئے باقی رہ گئے تھے" یا یہ حکومت و خلافت کا فیصلہ درمیان امام حسینؑ و ابن
زیاد لعین کے تھا؟ آپ کو خود اپنی بات بھی یاد نہیں رہتی - دیکھئے مندرجہ بالا اپنی فتنوں کے زمانہ کی سرخی)
اکثریت فیصلہ کر چکی تم خلافت کے باغی ہو (حق بر زبان اڈیٹر جاری ہو کر رہا یعنی امام حسینؑ خلافت
کے (معاذ اللہ) باغی تھے - دمشق کے قصور وار تھے - شام کی اکثریت فیصلہ کر چکی تھی - کوفہ
میں نہ خلافت تھی نہ وہاں کی اکثریت نے یہ فیصلہ کیا تھا - ابن زیاد بد نہاد تو حکم حاکم مرگ مفاجات کا
منتظر رہتا تھا - اپنی رائے میں ابن زیاد آزاد نہ تھا - یزید و ابن زیاد میں یہی فرق ہے - تعجب ہے کہ
آپ اپنے عقیدہ کے خلاف اکثریت کے فیصلہ کو باطل کیونکر کہہ سکتے ہیں آپ کے یہاں اکثریت
(اجماع) ہی تو برحق ہونے کی اقویٰ دلیل ہے - اکثریت حسینؑ کے خلاف فیصلہ کر چکی تھی اور حسینؑ
(معاذ اللہ) خلافت کے باغی تھے تو یہ صبر و استقامت اور ایمان و توکل اور جرأت و شہامت

کا پیکر اگر قتل کر دیا گیا تو یہ قتل قتلِ ناحق دنا جائز نہ ہوا بلکہ معاذ اللہ ایک سیاسی مجرم کا قتل ہوا تب
ہی تو بے شک یہ قتل و غارتگری موجب مسرّت اور لائق ابتہاج و انبساط ضرور ہونا چاہیئے و الّا فلا۔
اس اعتبار سے آپ کے مذہبی نظریہ کی بنا پر یومِ قتل حسینؑ جب ہی تو عید مسرّت کا روز ہے)

... بڑے ابتلا کا وقت ہے ... لیکن کیا اکثریت کا کوئی خوف اس اقلیت کے دل میں پیدا ہوا۔
ہرگز نہیں قطعاً نہیں۔ (کیونکر خوف ہوتا۔ حق کبھی باطل سے خائف نہیں ہوتا۔ حق اقلیت کی طرف
تھا اکثریت باطل پر تھی۔ اس اقلیت نے اکثریت (اجماع) کی مدّتوں پہلے کی باطل پرستی کو بھی
دنیا پر آشکارا کر دیا۔ سچ ہے اکثریت کے بطلان کے لئے اتنی ہی بڑی قربانی کی اقلیت کی طرف سے
ضرورت تھی)

امام کا جواب زندگی اصولِ ایمان کے مقابل میں پیاری نہیں ہے۔ اہل و عیال حریّت حقّہ
پر قربان ہونے سے نہیں روک سکتے۔ زندگی کی لطافتیں سچائی سے نہیں پھیر سکتیں.....
دشمنوں نے فرض کر لیا (یہ دشمن مسلمان تھے یا کافر اظہارِ مسرّت کر رہے تھے یا اظہارِ تاسّف و ملال
ان دشمنوں کا اُسوۂ حسنہ کیا تھا) تین روز سے پانی بند تھا۔ معصوم بچّے بلک رہے تھے۔ عورتیں
تڑپ رہی تھیں۔ مرد پریشان تھے ..... (کیا انہی باتوں پر آپکو اپنی عبرت اندوزی اور ایمان افروزی
کے لئے اس واقعہ پر اظہار مسرّت کرنا چاہیئے" کیا یہ حسینؑ کو مقتدا ماننے والے مرد۔ عورتیں اور بچّے بھی
اس واقعہ پر اظہار مسرّت کر رہے تھے؟ شرم! شرم! شرم!

امام کی یادگار دنیا کے ہر ایک مؤرخ مسلم و غیر مسلم تاریخ نگار نے اس واقعہ کو استقامت و ایثار
کی عدیم النظیر مثال قرار دیا۔ اور لکھا کہ اس واقعہ نے ایک مرتبہ خود غرضی اور ایمانی کمزوریوں کے کثیف
پردوں کو اسلام کی سراپا جرأت و شہامت تعلیم کے چہرہ پر سے اُتار کر پھینکدیا اُس نے پوری انسانی

اس عظیم الشان اور بےمثال واقعہ کی یادگار اس طرح قائم کی کہ اُس کی تمام خوبیاں، اُس کی تمام عبرت انگیزیاں، اُس کی تمام سبق آموزیاں، اُس کی تمام ایمان افزائیاں ختم ہوگئیں، فنا ہوگئیں (بالکل سچ ہے۔ یقیناً صحیح ہے نام نہاد مسلمانوں نے ایسا ہی کیا، ہم شہادت امام کی یادگار میں مونہہ پیٹنے لگے۔ رو رو کر پچھاڑیں کھانے لگے۔ سینہ کوبی کرتے کرتے لہو لہان ہونے لگے۔ ہائے حسینؓ وائے حسینؓ کے نعروں سے ہم نے زمین کو ماتمکدہ اور آسمانوں کو کاشانۂ غم بنا دیا۔ یہ بیان بھی بالکل صحیح ہے صرف ضمیر جمع متکلم غلط ہے 'ہم' کی بجائے صیغۂ جمع غائب ہونا چاہیے تھا۔ یعنی 'ہم' کی بجائے لفظ 'وہ' یعنی یہ تو برادران تشیع کا شیوہ ہے ورنہ استغفراللہ آپ اور رو رو کر پچھاڑیں کھاتے آپ سینہ کوبی کرتے) اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ گویا ہم اس شہادتِ کبریٰ پر بہت ہی اندوہگیں ہیں۔ بہت ہی غمناک ہیں (حالانکہ دل میں بہت ہی مسرور ہیں بہت ہی فرحناک ہیں) ہمکو حضرت حسینؓ کا یہ شرف بہت ہی معیوب اور ناگوار معلوم ہو رہا ہے (بالکل حق ہے کیوں ناگوار نہ ہو آپ کی خلافت کے باغی اور آپ کی اکثریت کے مجرم کا شرف ہے) حالانکہ یہ شے فخر کی تھی (اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ) مباہات کی تھی، مسرت کی تھی، ابتہاج و انبساط کی تھی۔ اس واقعہ کی یادگار میں ہمکو عیدِ مسرت منانی چاہیے تھی۔ نہ کہ محرم ماتم۔ ہمکو ایک دوسرے کو مبارکبادا دینی چاہیے تھی نہ کہ واویلا و ماتم کرنا (ہاں! آپ کو کیوں ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ کیونکہ آپ تو اُن کی طرف ہیں جنہوں نے اس واقعہ پر مباہات کے دربار اور مسرت کی عیدیں منائیں۔ آپ کو اُن سے کیا سروکار جن کے لئے یہ روز بڑے ابتلاء کا وقت تھا۔ جن کے مرد پریشان تھے۔ جن کی عورتیں تڑپ رہی تھیں۔ جن کے معصوم بچے بلک رہے تھے۔ جن پر تین روز سے پانی بند تھا۔ آپ کیوں واویلا اور ماتم کرنے لگے۔ آپ کو تو ایک دوسرے کو مبارکباد دینا ہی چاہیئے۔) . . . . . ہم نے اس واقعہ کی عظمت و شان کو خاک میں ملا دینا چاہا تھا۔

(جیسے یزیدیوں نے حسینؑ و رفقائے حسینؑ کو ملا دینا چاہا تھا لیکن ہائے افسوس)، اگر خدا کو شہادتِ حسینؑ کی عزت رکھنا منظور نہ ہوتی تو ہم نے اُسے مٹانے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ نہ اب کسی طرح کمی کر رہے ہیں۔ لیکن یہ واویلا اور ماتم کرنے والے نہ اس واقعہ کی عظمت و شان کو خاک میں ملانے دیتے ہیں نہ مٹانے دیتے ہیں رو رو کر ہماری کوششوں پر پانی پھیر تے رہتے ہیں"۔

ناظرین! آپ کو تعجب ہوگا کہ مدیر مدینہ کیسی صفائی سے اپنی ان کوششوں کا اقبال اور اعتراف کر رہے ہیں اور اپنے قلم سے وہ لکھ رہے ہیں کہ اگر کوئی اور لکھتا تو چڑ ہجاتے بُرا مان جاتے اور کبھی قبول نہ کرتے کہ وہ اس واقعہ کی عظمت و شان کو خاک میں خود ملا رہے ہیں اور اس کے مٹانے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہے ہیں۔ اُف! کیسی دلیری سے فخریہ ہم ہم کہکر عظمتِ آلِ رسُول کے مٹانے اور خاک میں ملانے کا دعویٰ کر رہے ہیں)

قرآن کا فیصلہ اور رسمِ ماتم گُساریِ اسلاف

شہدار کی موت پر رونیکی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ہم اُن کو مُردہ سمجھیں اور اُن کے ضائع ہونے پر ہمیں غم ہو۔ (اور کیا یہ وجہ نہیں ہو سکتی کہ ہم اُن کی حضوری۔ اُن کی زیارت اور اُن کی تعلیم و ہدایت کی برکات وسعادات سے محروم ہو گئے اور اُن کے ضائع ہونے کا نہیں بلکہ اپنے ضائع ہونے کا ہمیں خوف اور دغدغہ آپ کے ہاتھوں لگا ہوا ہے جو اُن کی موجودگی میں نہ ہوتا)، یا اُن کے بارے میں شبہ ہو کہ خدا جانے اُن کا کیا حال ہے لیکن اللہ تعالےٰ نے اِن دونوں باتوں کا ازالہ کر کے ہمیں یقین دلایا کہ شہدا بڑے مزے میں دنیائے آخرت کی پُر عشرت زندگی بسر کر رہے ہیں۔ لہٰذا اُن کی موت پر جزع فزع کرنا ۔ ۔ ۔ ۔ صحیح نہیں ہے (پُر عیش و عشرت زندگی کے آپ بڑے دلدادہ ہیں۔ بے شک شہدا بڑے مزے میں ہیں اور یقیناً زندہ ہیں۔ لیکن شہادت سے پہلے جو اُن پر گذر چکا۔ پانی بند ہوا۔ معصوم بچے بلکتے رہے۔ آنکھوں کے سامنے دریا کا پانی

پھلتا رہا۔ عورتیں تڑپتی رہیں۔ مرد زخموں سے چور چور پیاس سے ہونٹ چباتے رہے اور شہادت کے بعد شہداء کی پاک و پاکیزہ لاشوں کی یہ بےحرمتی ہوئی کہ گھوڑوں کے سُموں سے پائمال ہوئیں۔ خیمے جلائے گئے۔ یتیم بچوں پر مظالم توڑے گئے۔ عورتوں کی اسیری یتیموں کی بےکسی و بےبسی۔ اقلیت کی تاراجی۔ اکثریت کے تفاخر و شماتت کے دربار اور مسرت کی عیدیں کیا یہ سب واقعات بھی رونیکے قابل نہیں ہیں؟ پھر جب عام شہداء کا یہ حال ہے تو سرتاج شہداء کی شہادت پر رنج و ملال کرنا کہاں جائز ہو سکتا ہے۔ اِس کے تو یہ معنی ہیں کہ ہم حضرتِ امام کی اِس سعادت اندوزی کو ناپسند کرتے ہیں (بےشک آپ کے لئے اِس شہادت پر اظہارِ رنج و ملال کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ آپ تو پہلی شہادتوں پر بھی خوش ہوتے رہتے ہیں۔ شہادت سیّدالشّہداء حضرتِ امیر حمزہؓ پر بھی تفاخر و شماتت، مسرت و انبساط کے ترانے الاپے گئے تھے۔ کیا آپ شہادت حضرت عثمان غنیؓ کے روز بھی اظہارِ مسرت کرتے ہیں اُس عید کا کیا نام ہے؟ ہمیں بھی بتائیے۔ یا آپ حضرت امامؑ کی شہادت کی طرح حضرت غنیؓ کی سعادت اندوزی کو بھی ناپسند کرتے ہیں؟)

اصلیت یہ ہے کہ جن لوگوں نے سیّدالشّہداء حضرت حسین علیہ السّلام کی شہادت پر ماتم گساری کی رسم کو رائج کیا وہ بھی اِس حقیقت سے بےخبر نہ تھے لیکن وقت کی ضرورت کے باعث اُنہوں نے پروپیگنڈے کے لئے اِس طریقہ اِشتعال کو پسند کیا (جو آپ کو ہر سال مشتعل کرکے مضمون مسرت لکھواتا ہے) اور امویوں کے خلاف شورش پھیلانیکے لئے واقعہ شہادت کو آلۂ کار بنایا (جیسے حضرت علیؓ کے خلاف شورش پھیلانے کے لئے واقعہ شہادت حضرت عثمانؓ کو امویوں نے آلۂ کار بنایا تھا) خود ہم اپنے زمانہ میں حکومت کے خلاف شورش برپا کرنے کے لئے اسی قسم کے ذرائع استعمال کرتے ہیں (سچ ہے ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ

شورش اور فساد برپا کرنے کے ہمیشہ سے آپ عادی ہیں، مَن یُّفسِدُ فِیھَا وَیُفسِدُ عَلَی الدِّمَاءِ
آپ کے خمیر میں داخل ہے چنانچہ سلطنت کے برخلاف آپ کی کھدر پوش شورش ابتک جاری
ہے) یہ ہڑتالیں۔ یہ ننگے سر کے جلوس۔ یہ بھگت سنگھ زندہ باد کے نعرے۔۔۔۔ سب اس
حقیقت کا ثبوت ہیں اور ممکن ہے کہ مختار ثقفی کے زمانہ میں ماتم حسینؑ مفید مطلب ہو لیکن موجودہ
زمانہ میں تو اس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس ماتم گساری کا انسداد ہونا چاہئے تاکہ تاریخ
گذشتہ کی بنا پر باہمی تلخیاں کم ہو جائیں (یہ تو فرمائے کہ یہ باہمی تلخیاں کن دو فریقوں کے مابین
ابتک ہیں؟ یہ محرم کی ہڑتالیں۔ ننگے سر جلوس کس کے مقابلہ میں اور کس کو تلخ معلوم ہوتے ہیں؟؟
آپ اپنی تحریر کو جواب میں خود دہرا دیجئے "الغرض ہر جگہ ایک ہی صدائے ماتم ہے جس نے
زندگی تلخ کر رکھی ہے اور بقول شبلی مرحوم ؎

جو ہجرت کر بھی جائیں ہم تو اے شبلی کہاں جائیں ✦ کہ اب امن و اماں شام و نجد و قیرواں کب تک"

مدینہ بجنور ۲۵ مئی ۱۹۳۱ء ص ۳ کالم ۲

جس کے انسداد کے لئے آپ جان لڑائے ہوئے ہیں۔ کیا اموی حکومت کے نمائندے ابتک موجود
نہیں ہیں؟ حجاج ثقفی اور یزید اموی کی ذرّیات اب دنیا میں کیا کچھ کم ہے؟ کم از کم شام و نجد میں تو
ابھی تک بقول شبلی صاحب موجود ہے۔ ابتک بسیار ند در دنیا یزید۔ اگر یزید اور یزیدی
ذریت سے فضا پاک ہے تو پھر صدائے ماتم نے کس کی زندگی تلخ کر رکھی ہے؟ (عبرت اندوزی
وایمان افروزی کے لئے اس موجب برکت وسعادت واقعہ پر اظہار مسرت کرنا چاہئے
تاکہ شام و نجد و قیروان کی طرح ساری دنیا میں ماتم کی تلخ صداؤں سے امن اور نجات مل جائے
ناظرین کو اچھی طرح سے یقین آگیا ہوگا کہ ساری دنیا میں تو محرم میں ماتم داری ہوتی ہے
مگر شام و نجد ابھی تک اس تلخی سے محفوظ ہیں جسکا اندیشہ لگا ہوا ہے کہ وہاں بھی امن و امان

آخر کب تک رہ سکتا ہے۔ اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند۔ ایڈیٹر صاحب کی کوشش ہے کہ ساری دنیا میں نہیں تو کم از کم ہندوستان میں تو امان ہو جائے اور ماتم گساری کا انسداد ہو کر نجد و شام کی طرح عید مسرت منائی جانے لگے۔ یہی ہم کو ثابت کرنا تھا کہ یہ اظہار مسرت ملک شام کا طریقہ ہے۔ الحمد للہ کہ خود اخبار مدینہ ہی شام و نجد کی مسرت اندوزی کا ثبوت ہو گیا۔

شرعی حیثیت | شرعی حیثیت سے بھی وہ تمام رسم و رواج جو عشرہ محرم میں پورے کیے جاتے ہیں غلط اور ناجائز ہیں۔ ماتم شرعاً ناجائز۔ تعزیہ سازی ناجائز۔ اُن کی پرستش شرک و بُت پرستی (تعظیم و تحیتہ کو پرستش نہیں کہتے) اور شور و غل اور ہنگامہ بے معنی اور بیکار اِس بارے میں علمائے کرام کے فتاوی مدتوں سے شائع ہو رہے ہیں (جواز کے متعلق نا؟) لیکن دین ہمارے نزدیک وہ شے ہے جسکو ہم پسند کریں (بے شک۔ درست ہے جب ہی تو آپ غم محرم کو ناپسند اور عید مسرت کو پسند کرتے ہیں اور دین آپ کے نزدیک وہ ہے جسکو آپ پسند کریں) . . . . ممکن ہے برادران تشیع ہماری گذارشات کو اپنی دل آزاری پر محمول کریں (آپکا یہ اندیشہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کی نیت پہلے ہی سے صاف نہیں ہے) لیکن ہم انکو یقین دلاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ اور مقصد قطعاً دل آزاری نہیں ہے اور وہ اس لیے کہ امام حسین علیہ السلام کو ہم بھی اپنا مقتدا سمجھتے ہیں (آخاہ! کیا سچ مچ! یزید واتباع یزید نے بھی اسی طرح یقین دلایا تھا اور سارا الزام ابن زیاد کے سر تھوپ دیا تھا مگر سوائے انعام و اکرام کے کوئی جواب اُس سے طلب نہیں کیا گیا۔ جیسے آپنے اپنے مضمون میں بھی یزید کا دامن ظلم پاک کرنے اور ابن زیاد کو مورد الزام بنانے کی ناکام کوشش کی ہے برادران تشیع کی دل آزاری کی آپ کی نوک قلم کو کیا پرواہ ہو سکتی ہے جیسا ابھی سُرخی کے اخیر میں اس اپنی بے پرواہی کو آپ نے خود "اُونہہ" کہکر ظاہر بھی کر دیا ہے۔ جب آپ بچّوں کے بلکنے۔ بھوکوں کے تڑپنے

مردوں کے پریشان ہونے اور بربادی اہلبیت رسولؐ پر اظہار مسرت فرماتے ہیں۔ تو بیچارے برادران تشیع کی دلآزاری آپ کی نگاہ تفاخر میں کس گنتی اور شمار میں ہے وہ بیچارے تو نوکِ قلم کی ایک "آؤ نہہ" کی نذر ہے اگر امام حسین علیہ السلام کو آپ بھی اپنا مقتدا سمجھتے ہیں تو اِس لفظ بھی پر آپ نے اتنا زور کیوں دیا ہے۔ کس لحاظ سے آپ مقتدا سمجھتے ہیں؟ امام حسینؑ آپ کے نزدیک خلفائے راشدین میں ہیں یا خلفائے ملوکی ہیں؟ نبی ہیں یا رسول؟ آپ کس قاعدہ سے امام اور مقتدا ہیں؟ آپ کے نزدیک تو وہ خلافت کے باغی اور اکثریت (اجماع) کے مجرم ہیں۔ حسینؑ کو مقتدا ماننے والے تو حسینؑ کی اس مصیبت پر بلک رہے تھے تڑپ رہے تھے۔ پریشان ہو رہے تھے اور جہلا کا طبقہ بنوک شمشیر فیصلہ کر کے اس تباہی اور بربادی اہلبیت پر اظہار مسرت کر رہا تھا۔ آپ بنوک قلم یا بہ نوک شمشیر خود فیصلہ کیجئے کہ ان دو بانوئیں سے آپ کس امر کی اقتدا کرتے ہیں۔ تڑپنے بلکنے اور پریشان ہونے کی یا بنوک شمشیر فیصلہ کر کے عید مسرت منانے کی؟ اس کے بعد کہئے کہ امام حسینؑ کو ہم بھی اپنا مقتدا سمجھتے ہیں) اور ان کی شہادت پر فخر کرتے ہیں۔ اُن کی شہادت نے حقیقت میں اسلام کی اُس روحِ حریت کو زندہ کر دیا جو اموی تخت کے جاہ و جلال کی دہشتوں سے ماند پڑنے لگی تھی۔

بقول حضرت جوہر مرحوم ؎

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

علاوہ ازیں ماتم حسینؑ بہت بعد کی رسم ہے اور اللہ و رسول صلعم کی طرف سے کوئی حکم جواز موجود نہیں ہے۔ یہ چیز بعد کے لوگوں کی ایجاد ہے اور لوگوں کی ایجاد کردہ چیزوں سے اختلاف کرنے میں کوئی دل آزاری نہیں ہو سکتی ہے (کتاب سر الشہادتین۔ صواعق محرقہ۔ تاریخ کامل ابن اثیر

تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی، مشکوٰۃ وغیرہ اور دیگر علماء اسلام اِس بارہ میں حکم جواز اللہ و رسول کی طرف سے کیا لکھتے ہیں۔ دیکھئے۔ اگر آپکی محدود لعلمی نے ابھی تک ان کتابوں پر آپ کی نظر نہ پہنچنے دی ہو تو اب ملاحظہ فرما لیجئے۔ پھر کہیئے کہ خدا و رسولؐ کے حکم سے اختلاف کرنے میں کوئی شرعی دل آزاری نہیں ہو سکتی۔ آپ کو یہ معلوم نہیں کہ یہ چیزیں اور ان کا ہنگامہ بے معنی و بیکار نہیں بلکہ تبلیغ مبین اور احیائے شریعت سید المرسلین ہے۔ اسکو آپکے مولانا ابوالارشد صاحب نے اپنے قابلِ داد اشتہار میں بڑی خوبی سے ثابت کیا ہے جو یقیناً آپ کی نظر سے گذرا ہوگا۔ اِمام حسین علیہ السّلام کی بے گناہی و بقصوری اور حقّانیت اور اُن کے مد مقابل جُہلا کی اکثریت کی بے دینی۔ نفس پرستی اور ناحق کوشی و بے رحمی کا اعلان ہی ماتم گساری سے ہوا ہے۔ وہ حق و باطل جو آپ کی فتنوں کے زمانہ کی عمر میں مصروف جنگ نظر آتے ہیں اُن کا حق کا حق" اور باطل کا باطل" ہونا دُنیا پر اسی ہنگامہ نے واضح کیا ہے دُنیا کی محبت" مال و جان کا عشق" سود و زیاں کی مصلحت اندیشیاں" حکومت پارینہ کا وقار" جبہ بانوں کو اظہار و اعلان حق سے باز رہنے کی عادت ڈال چکا ہے تو یہی شورشین اور ہائے حسینؓ وائے حسینؓ ہی نے خود غرضیوں" اور ایمانی کمزوریوں کے کثیف پردوں کو اسلام کے سراپا جرأت" و شہامت تعلیم کے چہرہ پر سے اِس طرح اُتار پھینکا ہے کہ اب آپ کی کوشش سے اکثریت حق و باطل کو کبھی ملتبس نہیں کر سکتی۔)

آخری گزارش | ہمارے نزدیک حضرت حسینؓ کی شہادت کی یادگار منانا نہایت ضروری ہے لیکن اُس کے طریقہ کی اصلاح ہونی چاہیئے۔ تعزیہ داری" ماتم گساری" جلوس بازی" لٹھ بندی" اور دوسری خرافات" تو قطعاً بند کرنی چاہیئیں اور سیرت حسینؓ کے جلسے اور واقعات شہادت کے بیان کرنے کی مجلسیں منعقد ہونی چاہیئیں (یہ جلسے اور ایسی مجلسیں ہمارے یہاں

نوشہر ورنہ سے ہی ہوتی ہیں - اب آپ کی تجویز اصلاح سے معلوم ہوا کہ آپ کے یہاں ابھی تک
نہیں ہوتیں - اب سے آپ بھی ضرور کیا کیجئے - تعجب ہے کہ آپ اپنی اس تجویز پر خود سال بھر
بھی قائم نہ رہے اور بالکل اس کا برعکس کر دیا آپ بھی خوب مُصلح ہیں۔ ۱۳۵۱ھ کے محرم میں واقعات
شہادت کی مجلسیں اور سیرت حسینؓ کے جلسے حرام قرار دینے کے لئے پورے دس فتوے شاید
عشرہ اور دسہرہ کی رعایت سے اپنے اخبار میں شائع کئے اور لٹھ بندی اور دوسری خرافات
جنکو اس مضمون میں قطعاً بند کرنے کی تجویز فرماتے ہیں اُسی سال ہی ایسی خرافات کے
خود بدولت منتظم اور مہتمم ہو کر پیش پیش راستہ بھر خرافات میں شرکت کر کے رہنمائی فرماتے
رہے - مرد خدا! یہ دو رنگی کیسی!)

.... حسینؓ نے جس مقصد کے لئے مصائب و شدائد برداشت کئے اُن کی
تکمیل کی صورت وہ نہیں جو اختیار کی گئی بلکہ وہ ہے جو ہم عرض کر رہے ہیں .... حق
یہ ہے کہ یہ جزع فزع حضرت حسین علیہ السّلام کے ساتھ ایک ظلم ہے۔

(ناظرین! مظلوم کے شدائد و مصائب پر اظہار مسرّت کرنا مدیر صاحب کے نزدیک
مظلوم سے ہمدردی ہے) اللہ اکبر کس قدر عبرت کا مقام ہے امام رضی اللہ عنہ
نے (علیہ السّلام لکھتے لکھتے آخر رضی عنہ لکھ ہی بیٹھے غالباً آپ کو علیہ السلام اور رضی
اللہ عنہ کا فرق ہی نہیں معلوم ہے ہاں - آپ کیا جانیں یہ تو ادب سے تعلق رکھتا ہے)
دشمنوں سے بھی دکھ اُٹھایا اور اُن کے دوست بھی اُن کو تکلیف ہی پہونچا رہے ہیں -
یہی تو ستم ظریفی ہے یہی دوست تو مار آستیں ہیں کہ دشمن ہو کر دوستی کے پردے
میں اپنا کام کر رہے ہیں - اپنا مقتدا بھی کہتے جاتے ہیں اور اُن کے مقصد شہادت
کو خاک میں بھی ملاتے جاتے ہیں - اور اُن کے ذکر شہادت اور اعلانِ حقانیت کے

روضے سے زمانے بزرگان کے سیاسی اور دینی فتوے اور شرعی حیلے بارگاہ دار
سے وضع کئے جاتے ہیں۔ اس تبلیغی پروپیگنڈے کو ناجائز۔ بے معنی اور بے کار
بتاکر تکلیف ہی پہونچا رہے ہیں۔) شاید (نہیں یقیناً) کمال شہادت اور انتہائے
مظلومی کے لئے یہی ضروری تھا۔ لیکن اب، وقت آگیا ہے کہ ہم حضرت سید الشہداء
پر ظلم کرنا چھوڑ کر اُن کے ساتھ دوستی کا ثبوت دیں۔ (خدا کرے ایسا ہی ہو۔
آپ کو ظلم کرتے کرتے تیرہ سو برس ہو گئے آپ تو اب تھک گئے ہوں گے
اَب تو دوستی کا ثبوت دیجئے لیکن آپ ہرگز ایسا نہ کریں گے کیونکہ ابھی آپکا
وقت ہی نہیں آیا ہے۔ انشاءاللہ عنقریب آنیوالا ہے۔ اُس وقت معلوم
ہو گا کہ آپ کیا ثبوت دیتے ہیں۔ ابھی تو آپ ظلم بالائے ظلم کرنے ہی کی ہدایت
فرمارہے ہیں) یعنی اُن کی شہادت پر ماتم کرنے کی بجائے (جس نے زندگی تلخ
کر رکھی ہے) مسرّت اور فخر و مباہات کا اعلان کریں (تاکہ ظلم بالائے ظلم
ہوتا ہی رہے جیساکہ شام و نجد میں ابتک ہو رہا ہے)
وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نُسَبِّحُ لِلّٰہِ وَنَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَ اٰلِہِ الطَّیِّبِیۡنَ الطَّاہِرِیۡنَ الۡمَعۡصُوۡمِیۡنَ۔

مدینہ کی بے ادبی

امّا بعد۔ اخبار مدینہ بجنور نے یوم دوشنبہ ۶ محرم الحرام ۱۳۵۰ھ مطابق ۲۵ مئی ۱۹۳۱ء کی اشاعت میں "شہید اعظم کی یادگار" کی سرخی سے ایڈیٹوریل (جس کا قابل تبصرہ خلاصہ اہل نظر کے ملاحظہ سے سابق میں گذر چکا ہے) درج کیا ہے اسپر تبصرہ کرنا اس رسالہ کا مقصد ہے۔

ایڈیٹوریل کا نام "شہید اعظم کی یادگار" ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مضمون کا ہیرو (مرحلہ) کوئی شہید ہے۔ اور شہید بھی معمولی نہیں بلکہ تمام شہدائے عالم میں اعظم ہے۔ مدیر موصوف نے لفظ "اعظم" پر (ع) بھی لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف مضمون شیعہ ہے اور اس شہید اعظم کو قابل سلام جانتا ہے۔ کیونکہ (ع) اشارہ ہے علیہ السلام کا جو شیعوں کا طریقہ ہے ورنہ غیر شیعہ رواجاً (رض) لکھا کرتے ہیں۔ اگرچہ مذہباً علمائے اسلام (ع) لکھتے رہے ہیں۔ مدیر موصوف نے اگر عمداً لکھا ہے تو دھوکہ دینا چاہا ہے اور اگر نادانستہ لکھا ہے تو خلاف رواج ادبی غلطی کی ہے۔

'یادگار' کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ مدیر اس شہید اعظم کی یادگار کے متعلق کوئی ذکر کرنا چاہتا ہے یعنی اس شہید اعظم کی یادگار کوئی قائم ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو دنیا کی بڑی بے حسی ہے۔ اگر ہے تو وہ ایسی یادگار ہے یا نہیں جو ایسے شہید اعظم کی شان کی لائق اور سزاوار ہو۔ اگر ایسی نہیں ہے تو ہونا چاہئے اور ایسی اور اسطرح کی ہونا چاہئے۔

دوسری اور چھوٹی سرخی "جزع فزع اور ماتم۔ یا۔ فخر ومباہات اور مسرت"۔ اس چھوٹی سرخی

سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون میں یہ تجویز ہوگی کہ آیا سرخی کے جزو اول نمبر ا کو یادگار رہنا چاہئے یا جزو ثانی نمبر ۲ کو۔ جزع فزع اور ماتم کو مقدم اور فخر و مباہات اور مسرت کو مؤخر قرار دینے سے ادبی قرینہ یہ بتاتا ہے کہ لائق ایڈیٹر نے اس شہید اعظم کی یادگار جزع فزع اور ماتم کو تجویز کیا ہوگا اور "فخر و مباہات و مسرت" کی مخالفت کی ہوگی۔ لیکن مضمون کی ابتدا و انتہا کو دیکھنے سے تعجب ہوتا ہے کہ خلاف قرینۂ عنوان آپ مسرت کو "یادگار" بنانا چاہتے ہیں اور ماتم کے مخالف ہیں۔ تمہید کی ابتدائی دو سطریں تو بقاعدۂ ادب درست شروع کی ہیں یعنی ماہ محرم کی برکت وسعادت کو بیان کرکے اس مہینہ میں دو قابل فخر و مسرت اور لائق ابتہاج و انبساط واقعات عالم اسلام کے لئے پیش آنا تجویز فرمایا ہے اور اس کے بعد تذکرۂ غم و اندوہ ہے۔

تمہید میں دو واقعے کہکر صرف ایک واقعہ کا تو ذکر کیا دوسرے کا کوئی اشارہ بھی نہیں کیا۔ حالانکہ از روئے قواعد یہیں کہنا چاہئے تھا کہ دو واقعات پیش آئے۔ ایک یہ اور دوسرا یہ۔ یہاں دونوں کا نام ہوتا باقی مضمون میں دونوں کی تفصیل علیحدہ علیحدہ ذکر میں آجاتی۔ تمہید میں بتائے دو اور ذکر کیا ایک واقعہ کا۔ اور وہ ایک واقعہ قابل مسرت اور لائق ابتہاج یہ ہے (مسلمانو ذرا اس سچے مسلمان کی ہمدردئ دین اسلام تو دیکھو کہ اس کو کن باتوں پر مسرت و انبساط ہو رہی ہے۔ دیکھئے) "اسلام مکہ میں غریب تھا۔ مظلوم تھا بے بس تھا اور بیکس تھا۔ مسلمان مظلوم تھے۔ ظلم وستم کے تختہ مشق تھے...... کفار مکہ اور مشرکین عرب کی طرف سے وہ وہ مظالم توڑے جاتے تھے کہ ریگ کے خشک ذرّے بھی کانپ اٹھتے تھے۔ آسمان بھی فرط غم سے رونے لگتا تھا۔ انسان الامان پکار اٹھتے تھے۔ جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے تھے۔ دشمنوں کے دل بھی نرم پڑ جاتے تھے"۔ اگرچہ "تختہ مشق" "آسمان کا فرط غم سے رونا" "مظالم توڑنا"۔ جگر ٹکڑے ٹکڑے ہونا کے استعاروں میں جہاں لزوم کی قابل مضحکہ مثالیں موجود ہیں۔ مگر ہم اس سے قطع نظر کرکے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ ریگ کے ذرّوں کی صفت "خشک" تحریر کرنے سے قابل فخر ادیب نے کیا فائدہ اٹھانا

چاہا ہے؟ اور کونسی قوت یا اثر اُس سے پیدا کرنا چاہا ہے؟ کیا خشک ذرّوں کے کانپ اُٹھنے سے مظالم کی شدّت زیادہ ظاہر ہوتی ہے؟ اگر تر ذرّے کانپ اُٹھیں تو کیا ظلم کچھ ہلکے سمجھے جائیں گے؟ ہاں! خشک ذرّوں کا رو پڑنا بمقابلہ تر ذرّوں کے بیشک زیادہ عجیب ہے۔

مسلمانوں کے ساڑھے تیرہ سو سال کے پرانے طرزِ عمل کو جو قلوب میں راسخ ہو چکا ہے تبدیل کر کے بجائے غم والم کے منوانا تو چاہتے ہیں عیدِ مسرّت۔ مگر ابتدا فرماتے ہیں اظہارِ غم والم سے تمہید میں "خشک ذروں کا کانپ اٹھنا۔ فرطِ غم سے آسمان کا رونا۔ جگر کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا۔ دشمنوں تک کا دل نرم ہو جانا" تحریر فرماتے ہیں۔ اور اس تمہید سے منوانا چاہتے ہیں "مسرّت وابتہاج وانبساط"۔ حالانکہ ادیب کا مضمون ابتدا ہی سے انتہا کی خبر دیا کرتا ہے جو ایک نہایت حسین اور دلکش ادبی صنعت ہے جسکو براعتِ استہلال کہتے ہیں۔ جب کسی نے یہ اعتراض کیا کہ آپ تو مسلمانوں پر مظالم کے توڑے جانے سے آسمان کا فرطِ غم سے رونا خود تحریر فرماتے ہیں پھر غمِ محرم میں رونیکی سخت مخالفت فرما کر عیدِ مسرّت کی کیوں ہدایت فرماتے ہیں تو جواب میں ارشاد فرمایا کہ "میں نے کسی کا حقیقی رونا کب بیان کیا ہے یہ تو صرف استعارتاً رونا ہے"۔ اِس جواب کی معقولیت کسقدر قابلِ داد ہے۔ اس بیچارے کو یہ بھی معلوم نہیں کہ استعارہ کب اور کیوں استعمال کیا جاتا ہے؟ حقیقت و مجاز میں کیا فرق ہے؟ آپ کے اس جواب میں ضرورت سے زیادہ سادگی اور بھولاپن کسقدر ہے۔ حضرت! جب کسی آدمی کو گدھا کہا جائے تو اُس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ شخص حقیقتاً اسقدر ضرورت سے زیادہ سادہ او بھولا ہے کہ مجازاً اُسکو گدھا کہتے ہیں۔ جیسے شجاع کو شیر اور حسین کو گلرو کہتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ گدھے میں حماقت۔ شیر میں شجاعت اور پھول میں حسن مسلّم اور حقیقی ہے۔ اسیطرح سے مُدیر مدینہ کے اسی استعارہ سے یہ معلوم ہوا کہ فرطِ غم میں رولانیکا اثر حقیقی ہے۔ گو آسمان کا رونا مجازاً بیان ہوا ہے۔ مظالم توڑنے میں تڑپا دینے کا اثر ہے۔ اگرچہ ریگ کے

خشک ذروں کا حقیقتاً نہیں بلکہ مجازاً کانپ اٹھنا بیان ہوا ہے یہانتک کہ شدت مظالم
کا اثر ضرور ہے کہ دوستوں کا کیا ذکر دشمنوں کے دل بھی نرم ہو جاتے ہیں۔ جب غم کا یہ
حقیقی اثر ہے تو یہ کیا غضب ہے کہ محرم کے غم جانکاہ کا الٹا اثر مسرت و ابتہاج ہونا چاہئے
اور اس فرط غم سے بجائے رونے رولانیکے ہنسنا اور خوش ہونا چاہئے۔ وہ مظالم جو کفار مکہ
اور مشرکین عرب کی طرف سے توڑے جاتے تھے اُن میں تو یہ اثر تھا کہ آسمان کو رلاتے تھے
اور خشک ذرے کانپ اُٹھتے تھے۔ دشمنوں کے دل نرم پڑ جاتے تھے۔ جگر ٹکڑے ٹکڑے ہوتے
تھے۔ مگر اُن مظالم کے توڑے جانے پر جو کفار دمشق اور مشرکین شام کے ہاتھوں توڑے گئے کیوں
اس سے بھی زیادہ وہی اثر نہ ہونا چاہیے؟ اور محرم میں بجائے غم کے کیوں عید مسرت منانا چاہئے
عجب تماشہ ہے کہ کفار مکہ مورد الزام اور اخبار مدینہ لائق تمجید و مستحق انعام حالانکہ جرم مشترک ع

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است

خیر آپ کے نزدیک اگر یہی ہونا چاہئے تو آپکو ابتدا ہی سے عید مسرت کا بہاریہ مضمون لکھنا چاہئے
تھا۔ ع سالے کہ نکوست از بہارش پیدا۔ اسی اخبار کے "مسرا بہے" میں آپ کا یہی نظریہ ہے۔
عید مسرت کے منوانے کے لئے اگر کسی ادیب کے قلم سے یہ مضمون نکلا ہوتا تو اس طرح پر ہرگز نہ ہوتا۔
ایسی غلطیاں تو کسی ڈھنگے سے بھی نہیں ہوتیں۔ گاؤ زوریاں اور ادب آموزیاں دو مختلف
اور متضاد باتیں ہیں۔ ادارت کی قلم دوات سنبھالنے سے قبل کسی ماہر فن ادیب کے حضور میں
زانوئے ادب تہ کرنیکی ضرورت ہے۔ بازار ادب میں خریدار کی نگاہیں جنس عزیز میں کمال فن
کی تلاش کرتی ہیں۔ ؎

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی + کس بے کمال ہیچ نیرزد عزیز من

دور حاضرہ میں جنس ادب کی کسادبازاری۔ ادبی رسالوں کی مارامار اور سیاسی اخباروں
کی بھرمار نے کسی دلسوختہ ادیب زبان اُردو کو یہ کہنے پر مجبور کیا ہے۔ ؎

ہونہ دو دو چپت اگر جیں ہو دو دل کو چپ کریں ÷ زبان ان کو رہو تو ہم تو پنجابی ساتی ہیں

بھلا ایسی گاؤدزوریوں کو علم ادب کی نزاکت و نفاست اور فن انشاپردادی کی فصاحت و بلاغت سے کیا واسطہ۔ ان مونہہ زوریوں کے لئے کسی پلٹن یا رسالے میں بھرتی ہونا اچھا تھا جس میلان طبیعت اور رجحان جبلت کا اظہار فطرتاً آپ محترم کے جلوس میں لٹھ بندی اور پٹہ بازی کی سپہ سالاری انجام دیکر کیا کرتے ہیں اور منتظمین کی مردم شناس نگاہیں اس قیادت کے لئے آپ ہی کو منتخب کر لیتی ہیں کیا اچھا ہو کہ آپ اُس وقت غالب مرحوم کی معذرت کو اپنا رجز بنا کر استعمال فرمائیں اور اس شعر کے جیکارے کے زور سے اپنے اکھاڑوں کی کمان کریں۔

ہے سو پرس سے پیشۂ آبا سپہ گری ÷ ایڈیٹری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

ادیب کی بالغ نظری چاہتی ہے کہ عید مسرت کے پُرابتہاج و انبساط مضمون کے لئے کاغذ سرخ ہوتا ورنہ گلابی تو ضرور ہوتا۔ سنہرے حروف ہوتے۔ جدول طلائی اور حاشیہ بہاریہ نقش و نگار سے مزین ہوتا۔ اخبار مدینہ کی یہ اشاعت عید نمبر ہوتی یا یزید نمبر۔ اپنی اخبار کا آج تو رنگ بدلا ہوتا۔ عید کے روز تو کھدر پوش تھرڈ کلاس کاغذ نہ ہوتا۔ زیادہ نہیں تو کم از کم یہ ایک صفحہ تو عید کارڈ کا خوشنما نمونہ ہوتا۔ بہاریہ اشعار سے اس مضمون مسرت کی ابتدا کیجاتی جس کے ہر ہر لفظ سے "عید مسرت" بہجت و انبساط کی تراوش ہوتی۔ جزع فزع اور ماتم ایسے غم افزا الفاظ کا تو اس مضمون مسرت انگیز میں استعمال کرنا بھی بدشگونی بدفالی اور ادبی گناہ سمجھنا چاہیئے تھا۔ اس مضمون میں شروع سے آخر تک طرب افزائیاں، مسرت انگیزیاں، ابتہاج آمیزیاں، انبساط آموزیاں، اور فخر اندوزیاں ہونی چاہئے تھیں۔ اور اُنہیں کو اپنی ایمان افروزیاں سمجھنا چاہیئے تھا۔ لفظ "ابتہاج" (جس غریب کی آپ نے اپنے مضمون میں جا بجا مٹی خراب کی ہے) ایسے مواقع پر قطعاً خلاف محاورہ ہے۔ اور اہل زبان کے کانوں کو غیر مانوس اور نا آشنا معلوم ہوتا ہے۔ یہ لفظ زبان اردو

پر اتنک گراں ہے جس کی غرابت کو اہل زبان سے پوچھئے۔ آپ کی ہیریاں، موریاں، وو زیاں، گیزیاں، بیزیاں، کی بکثرت محاورہ زائیوں نے آپ کی ادبیت پر اہل زبان کی حیرت افزائیوں کا خاتمہ کردیا۔

مختصر یہ کہ اس مضمون کی تو بسم اللہ میں بھی سرور و انبساط کے الفاظ آنے چاہئیں تھے۔ مثلاً مثنوی مولانا غنیمت جو ادیبوں کی درسیات میں داخل ہے چونکہ اسمیں شاہد و عزیز کا قصہ ہے۔ اس رعایت سے دیکھئے! اس کی بسم اللہ اس طرح ہوئی ہے ؎

بنام شاہد نازک خیالاں ✤ عزیز خاطر آشفتہ حالاں

اگرچہ کہا جاتا ہے کہ انگریزیت نے یہ تکلفات اور محاسن علم ادب کو متروک بنا دیا ہے اور اس کی بجائے سادگی اور بے تکلفی و بیساختگی کو زیور علم ادب قرار دیا ہے لیکن یہ محض غلط ہے۔ انگریزی میں بھی صنائع بدائع فگرس (figures) اور اس کے قواعد سب موجود ہیں اگر کوئی انشا تکلفات سے معرا ہو تو وہ خود ایک صنعت اور حسن ہے جس میں یہ بے قاعدگی، بے قاعدگی اور فن ادب سے بیگانگی نہیں ہوتی جیساکہ آپ کے مضمون میں ہے۔ ؎

گر یہی بے ہنری حضرت والا ہوگی ✤ تار و پود ادبی سب تہ و بالا ہوگی

جس مقصد سے آپ نے یہ مضمون حوالہ قلم فرمایا ہے اسکو پیش نظر رکھکر ہم اس کے کسی قدر حصہ کی اصلاح بطور نمونہ آپ کے سامنے بغیر کسی معاوضہ کے پیش کرکے انتظار کرتے ہیں کہ آپکے محترم کے مقالہ افتتاحیہ میں آپ عید مسرت، کا مضمون کھلے بندوں اس طرح لکھیں گے۔ ۔۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مدینہ . . . . بجنور

یوم دوشنبہ ۱۰ محرم الحرام ۱۳۵۵ھ

شہید اعظم کی یادگار

جزع فزع اور ماتم یا فخر و مباہات اور مسرت

بنام خدا

بِسۡمِ اللّٰہِ العزیز الحمید

دمشق . . . . مرکز جفا و جور

یوم عید بنی امیہ ۱۰ محرم المبارک

یزید ظالم کا دربار

تفاخر و شماتت اور مباہات و مسرت

آپ کو ابتدا ہی سے اپنے پُر ابتہاج و مسرت مضمون کی تمہید ہی کو مسرت و شادمانی کے شاداب و شگفتہ پھولوں سے آراستہ کر کے دلہن بنا دینا چاہئے تھا آپ کے ہر ہر لفظ سے محرم کا سعید و مبارک مہینہ عید ہو جانا چاہئے تھا۔ مضمون کی بندش۔ سطور کی روش۔ الفاظ کی نشست ایسی ہونی چاہئے تھی جس کی آئینہ بندی سے بازار شام بھی جگمگا اُٹھتا۔ دربار یزید کا جشن فیروزی بجائے دمشق شام کے مدینہ بجنور کے کالموں میں نظر آجاتا۔ تمہید میں تو آپ خود رو رہے ہیں اور زمین و آسمان سبکو رولا رہے ہیں۔ اپنے جگر خراش بین سے جگر ٹکڑے ٹکڑے کیئے ڈالتے ہیں۔ ذرے ذرے کو تڑپائے دیتے ہیں۔ دشمنوں کے دلوں تک کو پگھلائے ڈالتے ہیں۔ اور پھر فرمائش یہ ہے کہ مسلمانوں کو قتل حسینؑ کی عید مسرت منانا چاہئے اور ایک دوسرے کو مبارکباد دیکر خوش ہونا چاہئے تہنیت کا مضمون یوں ہونا چاہئے تھا "اسلام مکہ میں غریب تھا۔ بے بس تھا۔ مسلمان مظلوم تھے۔ ظلم و ستم کے تختہ مشق تھے۔ اُن پر کفار مکہ اور مشرکین عرب کیطرف سے وہ وہ مظالم توڑے جاتے تھے کہ ریگ کے خشک تو خشک تر ذرے بھی ریشہ خطمی ہوئے جاتے تھے۔ آسمان بغرط مسرت سے جامہ میں پھولا نہ سماتا تھا۔ دوست تو دوست رو رو کر پچھاڑیں کھانے والے اور مسلمانوں

... کرنے والے دشمنوں کے بھی دل مدیر مدینہ کے گرما گرم اور
پُرانبساط مضمون کے زور سے نرم پڑ جاتے تھے اور عید مسرت منانے پر مجبور ہو جاتے تھے۔"

خلاصہ یہ کہ فن ادب میں یہ امر مسلّم ہے کہ تہنیت و تبریک کی ابتداء اور انتہا کا ہر ہر لفظ۔
انبساط آمیز اور مسرّت انگیز ہوتا ہے۔ گل و بلبل سے صفحۂ قرطاس رشک تختۂ باغ ارم ہوتا ہے
برخلاف اس کے تعزیت کی تقریب میں شروع ہی سے وہ عبارت استعمال ہوتی ہے۔ جس کا
ہر ایک لفظ "تمہید" سے لیکر آخری "گذارش" تک اشک ریز نظر آتا ہے۔ اہل شعور یہاں تک اس کا
لحاظ رکھتے ہیں کہ رقعۂ تعزیت میں کاغذ اگر سب نہیں تو اُس کے کنارے ضرور سیاہ کر دیتے ہیں۔
اس مضمون میں "ہوا"۔ "بادل"۔ "آسمان کے ستارے"۔ "زمین کے ذرّے" سب نوحہ کناں اور سینہ
زناں ہوتے ہیں۔ اسی آپکے نمبر کے "سہرا ہے" کے خانہ میں جس میں "سگ باشی" آپکے حصّہ
میں آئی ہے رونے سے سال کا آغاز کرنا تمام سال روتے رہنے کا سبب آپنے خود بتایا ہے! خود را
فضیحت و دیگرے را نصیحت اسی کو کہتے ہیں۔ آپ کی فرمائش سے کوئی خوش ہو یا نہ ہو۔ مسرّت کرے
یا نہ کرے۔ لیکن آپکے اس مضمون کی ادبی بے عنوانیوں میں ارباب ادب کے لئے آپ کی ادبیّت پر
بیساختہ ہنس دینے کا پہلو اگر ہے تو آپ کی بے مائیگی بھی ہمدرد کیلئے رونے کے قابل ضرور ہے۔ آغاز
با انجام ربطے وارد۔ جب آپنے اپنے مضمون کی ابتداء رونے اور واویلا مچانے سے کی تھی تو آپکو انتہاء
تک رونا ہی زیبا تھا۔ تاکہ مبتداء اور خبر باہم مرتبط ہوتے۔ یہ ہے ادارت "مدینہ" کی منتہائے ادبیت۔
پنجابیت بیچاری کا اس میں کیا قصور اُسکو تو آپ جیسے ایڈیٹر مفت بدنام کر رہے ہیں۔ ذٰلِکَ مَبلَغُھُم
مِنَ العِلم۔ کاش! کہ آپ کو مدینہ علم کا دروازہ ہی معلوم ہوتا۔ آپ ذرا سوچئے۔ آپ کو اپنے متعلق
کچھ غلط فہمی ہو رہی ہے۔ سچ ہے۔ ہر کسے را بہر کارے ساختند ؎

بوریا باف گرچہ بافندہ است ٭ نبرندش بکار گاہ حریر۔

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا

نگاہ ہے بہ سر راہ ہے | آپنے جس شمر کو سر و د خانہ ہمسایہ حُسن بگذرے کا لطف پیدا کرنیکے لئے ایسی ستم ظریفی سے مزاحیہ کالم "سر راہے" میں الاپا ہے ہمنے اُس پر ایک سطحی نظر ڈالی۔ آپنے اپنے نزدیک بڑا دلچسپ اور دل آویز مزاح فرمایا ہے گویا نہایت پر مذاق ظریفانہ لطیفہ لکھا ہی۔ اور اسلام کے قمری سال کے غم سے آغاز ہونے کی حکیمانہ مصلحت کا مضحکہ اڑایا ہے۔ فاضل لطیفہ گو کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ایسی بذلہ سنجیوں سے بچوں کو بھی ہنسی نہ آئیگی۔ بلکہ آپکی اِس بدمذاقی پر رونا ہی آجائے تو کچھ تعجب نہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ "جس زمانہ میں ہم اسکول میں تعلیم پاتے تھے . . . . تو جس روز صبح کو ریں ریں کرتے اٹھتے تھے تو تمام دن پٹتے اور روتے گذرتا تھا . . . بڑے بھائی صاحب ہماری مزاج پرسی کرتے تھے اور ہم اپنا انتقام اپنے عزیز برادر خورد سے لے لیتے تھے۔ اِس لئے کہ "سگ باشی اُسکے حصہ میں بھی اُتنی ہی آئی تھی جتنی کہ ہمارے حصّہ میں . . . "۔ حرص باش خوک باش یا سگ مردار باش۔ ہر چہ باشی باش لیکن اندکے درا باش

مہذب ناظرین! اِس سے آگے ہمارا باادب قلم چلتے ہوئے رُکتا ہے۔ اور ہماری تہذیب مانع ہوتی ہے۔ "سگ باشی" "عزیز برادر خورد کا بے بسی سے دانت دکھانا"۔ "انتہائیں ملجاتی ہیں یعنی سگ باشی کا خوروی سے بزرگی کی طرف منتقل ہونا۔ دونوں بیدوں کا ملنا۔ اماں جان کی شفیق جوتی۔ ماسٹر صاحب کا بے رحم ڈنڈا"۔ آپنے ان خشک ٹکڑوں کے جوڑ سے جس ناپاک مطلب کو ادا فرمایا ہے وہ اس مدینہ کے پرچہ ہی کیلئے زیادہ موزوں ہے۔ ہمارا قلم اِس گندہ لٹریچر سے آلودہ ہونا پسند نہیں کرتا۔ کون مونہہ لگے۔ کیا فائدہ سگ بد پائے ہفتگانہ بشو۔ چونکہ تر شد پلید تر باشد۔ بمصداق آیۂ مجیدہ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ "ادب" کہکر وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا کی تلاوت کرتا ہوا بزرگانہ انداز سے آگے بڑھتا ہے۔ آپ استہزاء فرماتے ہیں "انسان اپنا دن جس حالت

شروع ہوتا ہے اس کا اثر تمام دن کی زندگی پر پڑتا ہے۔ . . یہ اصول ہماری سمجھ میں کیوں آیا۔
اس کی وجہ تاریخی ہو صدیوں سے مسلمانوں کی حالت تباہ ہے اور اُن کی زندگی مصیبت میں بسر
ہو رہی ہے۔ ہسپانیہ۔ طرابلس۔ ٹرکی۔ ایران۔ ہندوستان۔ افغانستان۔ بخارا۔ ترکستان
عرب۔ فلسطین۔ بلقان۔ رُوس۔ مراقش۔ ٹیونس۔ الجیریا الغرض ہر جگہ ایک ہی صدائے ماتم ہے
جس نے زندگی تلخ کر رکھی ہے۔ اور بقول شبلی مرحوم ؎

جو ہجرت کر بھی جائیں تو اے شبلی کہاں جائیں ✤ کہ اب امن و امان شام و نجد و قیروان کب تک

اظہار لیاقت تاریخی کے ساتھ جغرافیہ کا سبق بھی فرفر دوہرا دیا۔ ٹھیک ہے۔ آپ کوئی غبی طالب علم
تھوڑا ہی ہیں خیر آپ کی ذہانت و ذکاوت سے یہ فائدہ تو ہوا کہ معلوم ہو گیا کہ حسین مظلوم کی عزاداری
دنیا بھر کے تمام ممالک اسلامی میں ابتک ہوتی ہے باستثنائے شام و نجد کے کہ اب وہاں بھی عزاداری
شروع ہو جانیکا اندیشہ بقول شبلی مدیر مدینہ کو لگا ہوا ہے۔ یا علاوہ شام و نجد کے بجنور رہ ہے کہ جہاں ماتم
گساری بند کر کے آپ عید مسعود منوانا چاہتے ہیں۔ "اس کی وجہ کیا ہے کفر کیوں مسرور و شادمان ہے۔
اور اسلام کیوں ماتم گسار اسکا باعث اصلی یہ ہے کہ تمام دنیا کی اقوام ہنود۔ پارسی۔ عیسائی وغیرہ
اپنے اپنے سالوں کا آغاز رسم مسرت سے کرتے ہیں (اور مسلمان بھائیوں کا کس رسم سے کرتے ہیں؟)
. . . مسلمانوں میں محرم کا چاند دیکھتے ہی ماتم کی صدائیں اور ہائے وائے کے نعرے شروع ہو
جاتے ہیں۔ پورے دس دن رونے پیٹنے چیخنے چلانے اُف اُوہ اور ہائے میں گذر جاتے ہیں جب
ہمارا یہ حال تھا کہ رو کر اُٹھنے کے باعث دن بھر روتے تھے تو کیا وجہ ہے کہ جو قوم اپنے سنہ کا
آغاز ہی ماتم سے کرتی ہے پورا سال ماتم و گریہ اور مصائب و آلام میں نہ گذارے . . ." اب
سمجھ میں آیا کہ مسلمانوں کی بدنصیبی ہر جگہ اور ہر ملک میں اسی لئے ہے کہ ان کے سال کا آغاز
غم سے ہوتا ہے۔ محرم کا چاند دیکھتے ہی ہائے ولئے اور نالہ و فریاد شروع ہو جاتی ہے بلکہ محرم ماتم کا

مترادف بن گیا ہے محرم کی پیدائش کے معنی ہی رونی صورت ہیں۔ آپ جس چاند کو چاہے محرم بنا لیجیے یا عید مسرت منا لیجیے چاند کو اس میں کیا دخل ہے چاہے ہنسئے چاہے چاند کو دیکھ دیکھکر روئیے چاند بیچارے کا اِس میں کیا قصور ہے خوب! مہ نور می فشاند و سگ بانگ می زند۔

اگر یہی منطق صحیح ہی تب تو مسلمان کیا سب ہی کو اس دنیائے دار المحن میں مادام الحیات رونا ہی چاہئے کیونکہ آپ کو اسوقت تک کی یاد تو ہے جب آپ مدرسہ جانیکے قابل ہوئے۔ آپکو دن کی صبح اور شام تو یاد ہے مگر اپنی زندگی کا نہ آغاز یاد ہے نہ انجام کی خبر۔ خیر۔ کیا مضائقہ ہی آپکو یاد نہیں تو اپنی سگی اماں جان سے پوچھ لیجئے کہ جب آپ کی ولادت کی عید مسرت ہوئی تو اسوقت آپکا آغازِ زندگی رونے سے ہوا یا ہنسنے سے؟ ہاں سچ ہی۔ جنکو تکلیف کا احساس نہ تھا وہ سب تو خوش ہو رہے تھے۔ تالیاں بجا رہے تھے۔ مبارکباد دے رہے تھے۔ جشن سرور اور عید مسرت منا رہے تھے اُن کے لئے آپ کا تولد ہونا باعث مسرت ولائق ابتہاج وانبساط تھا مگر جس بیچاری اور جس بیچاری پر گذر رہی تھی اُن کا دل جانتا ہوگا۔ آپ کو تو یاد نہ ہوگا۔ آپ کی آنکھیں بھی نہ کھلی تھیں۔ مونہہ پر کی جھلی ہٹتے ہی آپ نے بھی درد زہ کی ہمدردی میں اُس دکھیاری کا ساتھ دیا ہوگا۔ اُس سے پوچھئے کہ آپ کی زندگی کا آغاز رونے سے ہوا یا ہنسنے سے؟ ماتا کی ماری ماں بتائیگی کہ تم نے زمین پر قدم رکھتے ہی آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ اور وہ رونا اور چیخیں مانا شروع کیا کہ زبان زد ہو گیا ؎

یاد داری کہ وقت زادن تو * ہمہ خنداں بودند تو گریاں

اور وہ بیچاری تو شاید دو چار روز پہلے سے دکھ درد کی ماری۔ شرم و حیا کو بالائے طاق رکھکر کانکھ کونکھ رہی ہوگی چیخ چلا رہی ہوگی۔ اِس دھوم دھام سے جب آپ کی حیات کی ابتدا ہوئی ہے تو ضرور آپ ساری عمر روتے ہی اور چیختے رہیں گے۔ فطرت بتا رہی ہے کہ رونا ہنسنے سے مقدم ہے

بچہ پیدا ہوتے ہی فطرتاً پہلے روتا ہے اور احساس درد والم کا اظہار وقت ولادت ہی کر دیتا ہے۔ حالانکہ مسکرانا اور ہنسنا مہینوں نہیں تو ہفتوں کے بعد سیکھتا ہے۔ اگر دین اسلام دین فطرت ہے تو وہ بھی رونے ہی کے مقدم ہونے کا حامی ہوگا۔ رونا پہلے اور ہنسنا پیچھے۔ اور ایسی غیر معقول بات کہ اگر سال کا آغاز غم سے ہو تو سارا سال ہی روتے گذرے کوئی ذی عقل قبول نہیں کر سکتا ہے چہ جائیکہ ایران وتوران ساری دنیا کے مسلمان ایک صدائے ماتم ہی سے تباہ وبرباد ہو رہے ہوں ہند وپارسی وغیرہ جن کا سال خوشی ہی شروع ہوتا ہے انہیں تباہی اور بربادی جو آپ کی سلطنت جوڑکے زمانہ میں صدیوں ہوتی رہی کیا آپ بتا سکیں گے کہ سبب اُسکا کیا تھا؟ جن لوگوں نے عہد الست کو اسی طرح بھلا دیا جیسے جنابِ گریۂ وقت ولادت کو فراموش کر کے اپنے اقتضائے فطرت کو بدل دیا ہے۔ اُن ہی لوگوں کو تنبیہ کرنے اور یاد دلانے کے واسطے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے گئے۔ غم محرّم آپ کے اُس بھولے ہوئے گریۂ وقت پیدائش کو جو مقتضائے فطرت ہے یاد دلانے کا ایک قوی انتظام ہے۔ اِس سے انحراف کرنا دین حنیف۔ دین فطرت کو ناقص اور آن نیچرل ثابت کرنا ہے۔ ہماری نصیحت پر عمل فرمائیے پہلے رو لیجئے اور ہنسنا بعد کے لئے اُٹھا رکھئے۔ مانئے نہ مانئے آپ کی خوشی۔ اسلام نے اپنا اکمل الادیان اور عین فطرت ہونا اپنے ہر حکم وعمل سے ثابت کیا ہے۔

دین فطرت کی عید مسرّت | سال ہجری کا آغاز غم سے ہو کر آٹھ ربیع الاول تک ہم متواتر غم کر کے ۹ ربیع کو دھوم سے عید مسرّت مناتے ہیں۔ آپ کی بیچی کو اس کی بھی کیا خبر۔ قمری حساب مہینہ بھر کی تاریخوں کا شمار رہے جو رویت ہلال سے شروع ہو کر ۲۹۔۳۰ روز میں ختم ہو جاتا ہی اُس کا دور ماہانہ ہے سارے سال سے چاند کو کیا تعلق؟ سال تو حقیقتاً شمسی ہی ہے۔ آفتاب کا دور سالانہ ہے فصلوں کا تغیر فطرت کا حساب اسی شمار پر ہے۔ اگر اسلام میں یہ نہ ہو تو اسلام کو

دین کامل اور لیظہرہ علی الدّین کلّہ کہنا محض زبردستی ہے۔ سال شمسی کا آغاز جو فی الواقع
فصل ربیع ہے بہار کا زمانہ ہے۔ مسرت و انبساط کا موسم ہے۔ انسان تو انسان اس شمسی بہار
کا اثر اس عید مسرت کی خوشی حیوانات اور نباتات تک پر ظاہر ہے۔ زیر فلک جتنی مخلوقات ہیں
سبکو اس خوشی کا احساس ہوتا ہے۔ نئی اُمنگیں۔ جوشیلی خوشیاں نشیلی انگھڑیوں سے ظاہر
ہوتی ہیں۔ جاندار تو جاندار۔ نباتات کا یہی عالم ہے پتے پتے پر جوبن آجاتا ہے۔ پنکھڑیوں میں تازگی۔
گاوں پر نکھار غرض ہر طرف جوانی ہر طرف بہار ہے۔ ہوا۔ پانی سب میں اعتدال۔ زمین و آسمان
میں ہر ایک خوشحال ہے۔ اِس کا نام عید مسرت ہے۔ اس کا نام جشن فیروزی اور عید نوروزی ہے۔
جس خوشی سے کائنات کا ہر ذرّہ مسرور نظر آتا ہو مقام تعجب ہے کہ اور مذاہب تو اقتضاے
فطرت کی موافقت کا ثبوت دیں لیکن اسلام ایسا کامل مذہب اس مسرت عالمگیر سے اثر نہ لے
اور اس خوشی سے بے خبر رہے۔ حالانکہ فطرت اپنی زبان خاموش سے پکار پکار کر اعلان کر رہی ہے
ع اُٹھو سونیوالو کہ میں آرہی ہوں۔ یہ قابل مسرت اور لائق انبساط وقت ہے بلکن آپ
جیسے جیسوں کو جب غم جیسے پُر تاثیر جذبہ سے ہمدردی نہ ہو تو کون اُمید کرے کہ تحقیقی اور
واقعی نیچرل مسرت کی آپ کو خبر ہوگی۔ آپ کو تو نہ غم کی فکر ہے اور نہ حقیقی مسرّت اندوزی کا
احساس۔ آپ کو تو فطرت کے برخلاف تجویزیں پیش کرکے اسلام کو اَن نیچرل ثابت کرنے کی صرف دھن
بُن رہتی ہے آپ کو غم کے روز خوشی اور مسرّت کے زمانہ میں سب جس سے تعلق خاطر ہے۔ الحمدللہ
کہ ہم غم کے وقت غم اور خوشی کے زمانہ میں خوشی کرتے ہیں۔ سوائے آپ کی بد دماغی کے کائنات
کا ہر ذرّہ خوشی میں بھی ہمارا ساتھ دیتا ہے اور غم میں بھی زمین و آسمان ہمارے ساتھ روتی ہیں۔
اگر سال کا آغاز خوشی سے کرنے میں ہی مسلمانوں کی کامیابی۔ بہبودی اور ترقی ہے تو ایسا سال
بھی جو صبح عید مسرت سے شروع ہوتا ہے ہمارے ہی پاس ہے آپکے پاس تو یہ بھی نہیں۔

شمسی سال کی ابتدا طلوع آفتاب یعنی صبح سعادت اور روز عید مسرت سے ہوتی ہے۔ قمری سال غروب آفتاب۔ رویت ہلال اور شام کے وقت سے شروع ہوتا ہے یعنی شمسی سال دن سے اور قمری سال رات سے شروع ہوتا ہے۔ آپ کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ قمری سال صبح کو شروع ہی نہیں ہوتا خواہ روتے بسورتے اُٹھے یا ہنستے کھل کھلاتے، اُس کی ابتداء رات سے ہوتی ہے ہنسکر گذاریا اُسے روکر گزار دیے۔

آغاز سن ہجری میں سنت گریۂ وزاری کا وجود۔

اپنی تجویز کے خلاف ایڈیٹوریل میں آپنے یہ کیا غلطی کی کہ اس کی تشبیب میں خود واویلا مچایا اور آسمان کو اپنے شور و غوغا سے سر پر اُٹھا کر بیچارے فلک بیقصور کو بھی فرط غم سے رولایا ہے۔ اور آپ خود بھی روپڑے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ سگ باشی آپ کے ترکہ میں بھی اتنی ہی آئی ہے جتنی آپکے۔ . . اگرچہ یہ رونا آپ کا استعارتاً ہی ہی مگر ہم آپ کے مستعار رونے کو بھی حقیقت سمجھنے پر مجبور ہوئے جاتے ہیں کیونکہ شروع زمانۂ محرم میں جبکہ آپ سعید اور بابرکت اور خود رونے کے باوجود مسرت و انبساط کا زمانہ تجویز فرکر دو بہت بڑے مسرت انگیز واقعات کا پیش آنا بلا تحقیق تحریر فرماتے ہیں کہ رسول کی ہجرت اسی ماہ محرم میں واقع ہوئی۔ سبحان اللہ کیا اٹکل ہے۔ (قتل الخرّاصون) اب ہم کیا کریں خود خلیفۂ اوّل حضرت صدّیق اکبر یار غار نے اس مہینہ میں گریۂ وزاری فرمائی۔ رسول اللہ نے لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فرما کر روکا قرآن مجید نے اس ممانعت کی حکایت کی۔ لیکن اُس گریۂ غم پر اخبار مدینہ سرکار مدینہ سے بزبان حال کہہ رہا ہے۔

یارسول اللہ! کیا غمخوار نے رسوا لگے آگ اِس محبت کو ✤ نہ لائے تاب جو غم کی وہ میرا راز داں کیوں ہو

یہ لا تحزن قول رسول بھی ہوا اور ارشاد باری بھی یعنی حدیث بھی ہوا اور قرآن بھی جبکہ

اور محرم میں نہ روئیں۔ ہم تو اس امر خاص میں آپکے نزدیک خلیفہ اوّل صاحب کی موافقت کررہے ہیں۔ اسمیں تو ہرگز آپ کو مخالفت نکرنا چاہیئے۔ جبکہ اُن کا حزن اگر غم رسول میں تھا تو صرف آنحضرتؐ کی ہجرت اور بیوطنی کے غم میں تھا۔ اور ہمارا گریہ آل رسولؐ کی صرف غریب الوطنی ہی پر نہیں بلکہ آپ ہی کے بقول اُن مصائب و شدائد پر ہے جنکا ترک وطن ایک نہایت خفیف اور نہایت سُبک جز وہے۔ حضرت یار غار کا رونا رسولؐ کی اُس مصیبت پر تھا اگر تھا جو کفار کی مظالم سے آنحضرتؐ کو پہنچی تھیں یعنی اُن کے لئے صرف مظلوم کی مظلومیت ہی قابل حزن وملال تھی اور آل رسولؐ کے مصائب مدعیان اسلام کے ہاتھ سے تھے یعنی یہاں مظلوم وظالم ہردو کی حالت قابل رونے اور تأسف کرنیکے ہے۔ ہم ضرور اُن مسلمانوں کی اِس بدنصیبی پر بھی روتے ہیں کہ اُنھوں نے باوجود ادّعائے اسلام وہ مظالم توڑے کہ ابتک تمام رُوئے زمین کا ذرّہ ذرّہ کانپ رہا ہے۔ آسمان ابتک خون کے آنسو رو رہا ہے۔ صحرائے کربلا سے ابھی تک کانوں میں آواز آرہی ہے ؎

ازتشنگاں ہنوز بعیوق میرسد ✤ فریاد العطش زبیابانِ کربلا۔

اگر شہیدوں کی غمناک تاریخ آپکے نزدیک رونے کے قابل نہیں بلکہ لائق مسرّت ہے تو اُن یزیدی مسلمانوں کے مہیب کارنامے تو ضرور سر پیٹنے اور رونیکے قابل ہونا چاہئیں کہ اُنھوں نے اپنی عاقبت خراب کرکے بعد رسولؐ دین اسلام کو غریب جانکر اِس بُری طرح سے مجروح اور شکستہ حال کیا کہ بقول سرسیّد صاحب "یہ ایسا بدنما داغ اسلام کے پاک وپاکیزہ دامن پر مسلمانوں کے ہاتھ سے لگا ہے کہ قیامت تک چھوڑائے سے نہ چھوٹیگا ؎

چھوڑائے سے نہ چھوٹیگا اِسے قاتل نہ بن ٹلے گا ✤ کہ خون ناحق مظلوم کیا دھبہ ہے کیچڑ کا

بہرحال اگر مظلوموں پر نہیں روتے تو ظالموں کی حرکات شنیعہ پر روئیے کیونکہ آپ کو

قرآن کا حکم ہے فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا ، پس چاہیئے کہ ہنسیں کم اور روئیں بہت ہنوفکہ محرم میں سُنّتِ حضرتِ یارِ غار کا احیاء کرنا آپ کے لئے تو باعث عین سعادتمندی ہونا چاہیئے محرّم میں ضرور روئیے غار مکّہ نہ سہی دفتر مدینہ تو ہے۔

اللہ رے تیری نگاہ غلط انداز! آپ کو عید مسرّت کے جوش انبساط نے ایسا از خود رفتہ کردیا ہے کہ آپنے یہ بھی نہ سوچا کہ محرم میں رونے اور محزون ہونے پر اعتراض اور ملامت تو کرتے ہیں مگر یہ سوفار ملامت یہ آپ کا بادہوائی تیر جسکو آپنے ایک آنکھ سے شست لگا کر کورانہ رجماً بالغیب سر کیا ہے کس کی چشمِ پُر نم پر پڑیگا؟ اللہ رے تری قدر اندازی و قدر شناسی سب سے پہلے آپنے چاندماری بنانے کیلئے غار ثور ہی کو تاکا۔ جَزَاكَ اللّٰہ! ع بحیرتم کہ عجب تیر بے کماں زدۂ۔ شاباش!

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں ✤ تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں

کمال کردیا! مرحبا! سچّے دین دار پکّے مسلمان مرحبا! ؎

شماتت کہ تیر بلا میزنند ✤ کجا می نماید کجا میزنند

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

مدینہ کا وسہرا

مدیر مدینہ عشرۂ محرّم کا ترجمہ دسہرہ کرتے ہیں۔ اُن کی کمال لیاقت کا اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ عشر کے معنی دسؔ جانتے ہیں اور شاید اسکو طفل عشر خوان بھی جانتے ہوں۔ اگر کسی اور مذہب میں ہماری کسی دینی اور مذہبی چیز کی تائید ہوتی ہو تو یہ بات فخر و مسرّت اور ابتہاج و انبساط کی ہے نہ کہ چڑھ جانے اور برا مان جانے کی۔ اگر ہندوؤں کے یہاں کوئی تیوہار دسویں تاریخ کو واقع ہو اور ہمارے یہاں بھی عید قرباں دسویں کو یا کوئی غم دسویں تاریخ کو واقع ہو جائے تو اس عشرہ دس کی رعایت آپ ہی جیسے خوش مذاق ملحوظ رکھکر دسویں تاریخ عید قرباں منانا ہندوئیت سمجھیں گے

دیوالی ہوتا ہے تو آپ شب قدر میں اندھیر مچانے ہی کو پسند فرماتے ہوں گے ؎

ایسی ضد کا کیا ٹھکانا اپنا مذہب چھوڑ کر * یہ ہوا کافر نو دہ کافر مسلماں ہو گیا

عشرہ محرم کو دسہرہ آپ ہی نے بنایا ہے بلکہ دسہرہ کیا آپ تو اپنے اخبار سرّت یار کے ذریعہ سے اُس کو بسنت - ہولی - بیساکھی بنا دینے پر تیار اور رنگ رلیاں منانے کی فہمائش فرماتے ہیں - ہنود - یہود - پارسیوں - عیسائیوں کی پیروی کی مسلمانوں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ اِن کا سال خوشی سے شروع ہوتا ہے تو خرّم و شادماں رہتے ہیں - چاہیئے کہ اسی طرح مسلمان بھی غم کی بجائے خوشی سے سال کا آغاز کریں تاکہ تباہی اور بربادی سے بچیں - بے شک ہمارے لئے محرّم رونے اور غم کرنے کا مخصوص زمانہ ہے - ہم تعزیہ کے ساتھ بھی روتے ہیں اور اُس کا نام بھی خود تعزیت کو بتا رہا ہے - آپ محمل مصری بناتے ہیں جو اُونٹ کے بچوں کو ہان پر جنگ جمل کی یادگار ہر سال منائی جاتی ہے - اور گڑیا گڈے جو سیتا جی - رامچندر جی - لچھمن جی - ہنومان جی وغیرہ کی مورتی کے مثال بنائے جاتے ہیں اُس کو آپ کیا کہتے ہیں آپ کے محاورہ میں تعزیہ اگر رام ڈول ہے تو یہ محمل سیتا ڈول ہوئی یہ گستاخی اور بے ادبی آپ ہی جیسے مسلمانوں سے ممکن ہے کہ فرزند رسول ؐ کے تعزیہ کو رام ڈول بتائیں یا حضرت بی بی عائشہ ام المومنین زوجہ رسول ؐ کے ڈولے کو سیتا ڈول بتائیں مرد آدمی آنکھیں تو زبان سنبھالی ہوتی ایسا بھی آدمی بدلگام نہ ہو جائے جس کو نہ اصحاب رسول ؐ کا ادب نہ ازواج رسول ؐ کا لحاظ اور نہ اولاد رسول ؐ سے محبت - سچ ہے **با ادب بانصیب بے ادب بے نصیب** -

کفار کے ہم پیالہ و ہم نوالہ رہنے کو از روئے شریعت جائز و حلال اُن کے مس کئے ہوئے کھانے پانی کو طیب و طاہر اور شیر مادر قرار دیکر آپ ہی نے خلاف حکم قرآن کفر کی طرف

اقدام کیا ہے۔ اس کی نوبت یہاں تک پہونچی کہ جامع مسجد دہلی کے ممبر پر سوامی شردھانند جی مہاراج موجد بدعتِ شدھی کو خطیب بنا کر آپ ہی نے اللہ اکبر کے ساتھ جیکارے لگائے ہیں ؎

جے گاندھی کی جب بلکر کہتے ہو مسلمانو + اسلام کے ماتھے پر قشقہ نظر آتا ہے

مدیر صاحب! یاد کیجئے وہ وقت جب آپ اپنے ماتھے پر تلک لگا کر دنیائے اسلام میں بدنام ہوئے تھے۔ یہ ہے آپ کے مستک شریف پر وائمی کلنگ کا ٹیکہ یا ہندوئیت کا گنگا جمنی جھومر۔

الحمدللہ نعرۂ حیدری کے ساتھ کبھی آجتک جیکارا نہیں ہوا۔ یہ اسلام سوز کارنامہ آپ ہی کی تاریخ میں یادگار زمانہ رہیگا "بول مہاتما گاندھی کی جے اللہ اکبر" اپنے گریبان میں منہ ڈالکر فرمائیے کہ جیکارے کیساتھ کس نے نعرۂ تکبیر بلند کیا؟؟؟ تعزیہ داروں نے یا تم سے ٹھیٹ مسلمانوں نے؟؟؟ محرم میں جو خرافات ہندوویت ہے اُن سب کے آپ ہی فرمہ دار ہیں جس کو ہم بوضاحت ثابت کرچکے ہیں۔ افسوس کہ پہلے تو اسلام کو اس بری طرح کُند چھری سے ذبح کرچکے اب اِن لاطائل مکّاریوں سے حق چھپائے نہیں چھپ سکتا۔ صاف صاف کہئے کہ خود کردہ را علاجے نیست۔ بزرگان دین سے آپ کی یہ گستاخیاں اور بے ادبیاں کس قدر قابلِ افسوس ہیں۔ حمایت اسلام کا دعویٰ اور مسلّمہ بزرگان اسلام کی یہ توہین۔ شرم شرم شرم!!!

ادب ہی سے انسان انسان ہے
رہا بے ادب جو وہ شیطان ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فتاویٰ عنبری

افمن ھٰذا الحدیث تعجبون وتضحکون ولا تبکون

(کیا تم اس بات پر خوش ہوتے ہو ہنستے ہو اور روتے نہیں)

امور دینی میں خود رائی گمراہی ہے

افسوس کہ مسلمانوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ محض اپنی شخصی رائے سے مہمات دینی میں ناحق حکم ناطق صادر فرماتے ہیں اور اپنی انوکھی رائے کی دوسرے بیگناہ مسلمانوں میں تبلیغ واشاعت بذریعہ تقریر وتحریر کرتے ہیں پریس اور پلیٹ فارم کو اپنا آلہ کار بناکر بیچارے اسلام کو تختۂ مشق بناتے بناتے اِس حد کو پہونچا دیا ہے کہ دوسرے مذاہب کے سامنے اُس دین کو جو لیظہرہٗ علی الدین کلہ ہے پیش کرتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے۔ محرم کا معاملہ اسلام کی تاریخ میں نہایت مہتم بالشان واقعہ ہے ہرچند کہ اِس کا وقوع ہی اختلاف آرار کے سبب سے ہوا۔ یہ معرکۃ الآرا معرکہ آرائی ابھی تک قائم ہے۔ جس کا ایک فریق خدا پرستی اور دوسرا فریق خود پرستی وخود آرائی ہے۔ فریق اوّل کی فتح ایسی بیّن اور نمایاں فتح ہے کہ قیامت تک کوئی زبان طاقت نہیں رکھتی کہ اُس کے خلاف چون وچرا کر سکے ہر شخص بلا اختلاف مانگیا کہ شہید ہونے والا فاتح اور اُس کی قابل صد احترام فتح قیامت تک یاد رکھنے کے قابل ہے۔ مگر یادگار منانے کا کیا طریقہ ہو اِس میں مدت دراز سے رائے زنی کی جاتی ہے۔ اور اپنی اپنی شخصی تنہا رائے کے موافق

ہر شخص کچھ نہ کچھ کہتا ہے جس میں اختلاف رائے تضاد و تباین کی حد تک ہے۔ حالانکہ خود مختاری و خود سری کی ممانعت قرآن مجید میں صریحاً موجود ہے۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (کسی مؤمن اور کسی مومنہ کو اپنے معاملات میں کوئی اختیار نہیں ہے جبکہ اللہ اور رسول کسی امر میں کوئی حکم دے چکے ہوں اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں گمراہ ہو گیا)۔

اِس اختلاف رائے کے دو نمونے جو سُنّی اخبار وں سے نقل کئے جاتے ہیں حسب ذیل ہیں:—

"غم والم کا زمانہ آگیا۔ آنکھیں رونا چاہتی ہیں۔ دل تڑپنے کو آمادہ ہے۔ آنسو بلکہ رخسار پر بہنے کے لئے ساز و سامان درست کر رہے ہیں۔ محرّم الحرام کا چاند دکھائی دیتے ہی ایشیا کے اکثر حصّہ میں شہادت سیّدنا امام حسین علیہ السّلام کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کے سب فرقے اپنے اپنے دستور کے موافق اِس غمگین یاد میں حصّہ لیتے ہیں۔ اور ہندوستان کے تو کروروں غیر مسلم آدمی غم حسینؑ میں ماتم کی صفیں آراستہ کرتے ہیں"۔ الی آخرہ

(خواجہ حسن نظامی)۔

"محرم الحرام کا مبارک و سعید مہینہ آگیا یہ وہ مہینہ ہے کہ جسمیں عالم اسلام کیلئے دو قابل فخر و مسرّت اور لائق ابتہاج و انبساط واقعات پیش آئے"۔

"... اِس موجب برکت اور سعادت واقعہ پر اظہار مسرّت کرنا چاہئے"۔ "... اب وقت آگیا ہے کہ ہم حضرت سیّد الشہداء پر ظلم کرنا چھوڑ کر اُن کے ساتھ دوستی کا ثبوت دیں یعنی اُن کی شہادت پر ماتم کرنیکی بجائے مسرّت و فخر و مباہات کا اعلان کریں"۔ (اخبار مدینہ بجنور)

یادگار کی اصلاح کی لغویت

غور فرمائیے کہ انسان کیا کرے آیا غم کرے یا خوشی؟ زید کی رائے جدا عمرو کی تجویز جدا۔ ایسی دو متضاد تجویزیں پیش کی جارہی ہیں۔ جو لوگ اس یادگار کو نوحۂ غم کے ذریعہ سے منانا تجویز کرتے ہیں اُن کے متعلق بعد میں ذکر آئیگا لیکن جن کی یہ تجویز ہے کہ ہمکو اس واقعہ پر اظہار مسرت کرنا چاہئے اور عید مسرت منانا چاہیئے وہ اس یاد کو تازہ رکھنے کے خلاف نہیں ہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ "ہمارے نزدیک حضرت امام حسینؑ کی یادگار منانا نہایت ضروری ہے لیکن اُس کے طریقہ کی اصلاح ہونا چاہئے۔ تعزیہ داری ماتم گساری وغیرہ اور دوسرے خرافات کو قطعاً بند کردینا چاہئے۔ اور سیرت حسینؑ کے جلسے اور واقعات شہادت بیان کرنیکی مجلسیں منعقد ہونا چاہئیں بلکہ فخر و مسرت کے جلسے کرکے... ماتم کرنے کی بجائے فخر و مباہات کا اعلان کریں"۔ اس آخری تجویز کی غلطی سیلف کنٹرڈکٹڈ ہے۔ کیونکہ یہ عمل غیر ممکن العمل ہے جبکہ وہ خود فرماتے ہیں کہ "امام حسینؑ کو ہم بھی اپنا مقتدا سمجھتے ہیں" تو جس صورت میں کہ اس واقعہ کے ہیرو کے ساتھ کسیکو مقتدا ہونیکی وجہ سے ہمدردی ہو اور وہ اس واقعہ کے جلسہ میں دردانگیز حالات و واقعات سُنے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیونکر خوش ہوسکیگا؟ اور کیونکر اُس کو مسرت ہوگی جبکہ حضرت امام حسینؑ کی سیرت بیان کرنے میں بیان کرنے والا چھوٹے بچوں کی پیاس۔ گرمی کی تپش۔ بچوں کا یتیم ہوجانا۔ بیبیوں کا بے وارث و والی ہوجانا۔ خیموں کا جلنا۔ اسباب کا لٹنا اور خاندان رسالت کے معزز و شریف غیر تمند بیبیوں کا بے ردا ہوکر اسیر ہوجانا۔ چھوٹے چھوٹے بچے اور کبیر السن بوڑھوں کا بھوک اور پیاس میں مجروح ہوکر شہید ہونا اُن کی لاشوں کا پامال سُم اسپان ہوکر بے گور و کفن پڑا رہنا۔ اسیروں کا شہر بشہر کوچہ و بازار میں دربدر۔ دیار بدیار پھرایا جانا۔ دربار میں حاضر ہونا۔ زندان میں محبوس ہونا۔ دشمنان امام حسینؑ کا دشمنان دین اسلام کا ان

مصیبتوں پر ازروئے شماتت خوشی و مسرت کرنا۔ فخر و مباہات کے دربار اور جلسے کرکے اعلان شادی کرنا۔ جب ان واقعات کی تفصیل بیان کرنے والا بیان کرے گا تو عقل قبول نہیں کرتی ہے کہ حسینؑ کو مقتدا ماننے والا بغیر روئے رہ سکیگا اگر اُسکو حسینؑ اور اُن کی عترت سے فی الواقع محبت و ہمدردی ہے۔ لفظ "ہمدردی" خود شرکت درد و غم کا اظہار کرتا ہے ہمدرد وہی ہے جو شریک درد و غم ہو۔ جب ان دردناک واقعات کا ذکر جلسہ میں آئیگا تو لامحالہ ہمدرد کی آنکھ سے ضرور آنسو ٹپک پڑیں گے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیونکر ان واقعات کو سُنکر وہ قہقہہ مار سکیگا سینہ زنی کی بجائے خندہ زنی کرسکیگا۔ واقعات کی تفصیل تو انسان کو سر ٹکرانے اور بیہوش ہوجانے بلکہ مرجانے تک کی نوبت پہونچادیتی ہے۔ اس شہید اعظم کا تو نام بھی رولانیکا اثر رکھتا ہے۔ خوشی سے کون رونا چاہتا ہے۔ ہم بھی کیوں روتے مگر اس نام کی مظلومیت نے زبردستی رُلوایا ہے!

روحی لک الفداء اے سید مظلوم!

ہمیں رونے سے کیا نسبت مگر جب تیرا نام آئے ÷ تو کچھ نقشہ بگڑ جاتا ہے اپنے دیدۂ تر کا

اور کوئی کوشش کرکے روتا بھی تو کہاں تک روتا۔ تیرہ سو برس تک کبھی نہ رویا جاسکتا مگر اصل یہ ہے کہ اس تجویز کا پیش کرنے والا سایکالوجی سے قطعاً ناواقف ہے وہ کہتا ہے کہ ان واقعات کو سُن سُنکر ہنسو خوش ہو اور ایک دوسرے کو مبارکباد دو۔ عید مناؤ۔ بغلیں بجاؤ اور قہقہے لگاؤ کیا اُس کی تجویز ہے کہ ہم اس بات پر خوش ہوں کہ یا حسینؑ ہمیں بڑی خوشی ہوئی کہ آپ دشمنوں میں گھر کر انتہائی مظلومیت اور بیکسی میں شہید ہوگئے اور آپ کے بچے یتیم ہوکر دشمنوں کے ہاتھ میں پڑ گئے ہمارے لیئے بڑی مسرت کا مقام ہے کہ بچے بقصور طمانچے کھاتے تھے اور نہایت حسرت سے ایک ایک کا مونہہ تکتے تھے اور کسیکو اپنا ہمدرد نہ پاتے تھے۔ آسمان کو دیکھتے تھے اور

سمجھاتے ہے - ہمارے دِل کو آپ کے بچوں کی بے بسی اتنا مسرور کرتی ہے کہ اُس کی خوشی میں
عید مناکر آپ کو مبارکباد دیتے ہیں"۔ ان جانکاہ واقعات کی تفصیل کے لئے زمین و آسمان کے صحیفے
بھی کافی نہیں ہیں - اہل انصاف سوچیں کہ اِن میں سے کونسی بات خوش ہونیکے قابل اور
مسرّت کرنے کے لائق ہے - أَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ
کیا تم اِس بات سے خوش ہوتے ہو ہنستے ہو اور روتے نہیں (قرآن مجید)
اِبتدا میں جیسا ذکر کیا جاچکا ہے دو جزو ہیں خداپرستی اور خودپرستی یعنی ایک حُسینیت و دوسرے
یزیدیت - مقتضائے حُسینیت رونا غم کرنا - ماتم اور گریہ و بُکا ہے اور یزیدیت دربار مسرت اور جلسہ
عید کرنا ہے - البتہ جن لوگوں کو حُسینؑ کے پُردرد و غم واقعات پر ہنسی آئے وہ ضرور خوش ہوں
لیکن یہ وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو یزید کو اپنا مُقتدا اور پیشوا مانیں - اور حُسینؑ سے عداوت رکھیں -
لہذا اُن کی چشمِ عداوت اور نظرِ شماتت میں یہ غم انگیز واقعات باعث مسرّت ہو سکتے ہیں - لیکن
یہ تین چیزیں کہ حُسینؑ کو مقتدا بھی مانیں - واقعاتِ شہادت کے جلسے بھی کریں اور پھر مسرّت بھی
کرسکیں یہ تینوں باتیں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں -

اِسلام نیچرل مذہب ہے دین اسلام چونکہ دین فطرت ہے لہذا اُس کے تمام احکام و اعمال
نیچرل ہیں - ایسی اَن نیچرل بات کہ اپنے مقتدا کی تباہی کو سُن سُنکر مسرور ہوں دین اسلام
کی شریعت نہیں ہو سکتی شریعت اسلام کا وہی حُکم ہے جو فطرت انسانی کا تقاضا ہے - شریعت
اِسلام کو غم اور مسرّت دونوں کا انتظام کرنا چاہیئے تھا - بلکہ غم کا زیادہ اور خوشی کا کم - چنانچہ
کیا گیا - یکم محرّم سے لیکر ربیعُ الاول تک متصلاً ایامِ عزا قرار دیئے گئے - اسمیں بھی دس دن
مخصوص اور اُن دس دنوں میں بھی روز دہم یعنی عاشورہ محرّم مختص یوم غم قرار دیا - جیسے
اعیاد مسرّت عید رمضان - عید قربان وغیرہ قرار دیں ابتدا اور آغاز سال غم محرم الحرام سے کیا

اور انتہا اور انجامِ سال مسرّت اعیاد ذی الحجۃ الحرام پر ؏

کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے

اسلام نیچرل مذہب کہلانیکا جب ہی مستحق ہے اگر اُس نے جذبات انسانی کا جائز طور پر لحاظ مدنظر رکھا ہو۔ مسلمانوں میں اگر صرف عید مسرّت ہی منائی جاتی ہے اور یوم غم کوئی نہیں تو اس سے تو بنی اسرائیل ہی کا مذہب کامل تر ہے جنکی کتاب توریت میں جہاں بعض اعیاد خوشی کی ہیں وہاں غم کا تیوہار منانیکا بھی تاکیدی حکم ہے تاکہ اس جذبۂ شریف کا بھی لحاظ رہے اور آدمی میں محض قساوت ہی قساوت بڑھانے کا بندوبست نہ ہو بلکہ رقتِ قلب پیدا ہونیکا بھی انتظام ہو تاکہ اعتدال و حدِّ وسط جو عین فلسفہ و حکمت ہے حاصل ہو کر انسان انسان کامل ہو جائے۔ اگر یہ یوم عاشورہ بھی عیدِ مسرّت ہی ہے تو پھر دین اسلام نے ہنسنے ہی ہنسنے کے سوا رونیکا کیا انتظام کیا ہے؟ حالانکہ رونا ہی فطرتِ انسانی میں ایک زبردست چیز ہے اور ایک جذبۂ نازک کا حامل ہے بلکہ خوشی اور جذبہ مسرّت کے مقابلہ میں اس کا اثر قوی اور دیرپا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کسی خوشی میں مسرور اور شاد کام ہو اور دفعتاً کوئی غم انگیز خبر پہونچے تو معاً شادی مبدّل بہ غم ہو جائے گی۔ لیکن اس کے برعکس کسی مبتلائے غم کے غمکو کوئی خوشی کی خبر برطرف نہیں کرسکتی تاآنکہ امتداد زمانہ بھولاتے بھولاتے اور مٹاتے مٹاتے غمکو ہلکا کر کے اس کے دل سے محو نہ کردے۔

اشاعتِ عزاداری کی اب بھی ضرورت ہے

غمِ حسینؑ میں بحیثیتِ اعجاز یہ خصوصیت موجود ہے کہ دست درازِ زمانہ بھی اُس کو ہلکا نہ کرسکا۔ سلاطین جور کی سلطنتیں اموی اور عبّاسی خاندان کی عداوتیں۔ فوجوں کے نیزے۔ علمائے مخالف کی نوکہائے قلم اس غم والم کو کم نکرسکی تو زمانۂ حال کی حقیر تقریری و تحریری کوششیں کب اس کوہ غم محکم کو جنبش دے سکتی ہیں۔ سعی ہے مگر سعی لاحاصل۔ کوشش ہے مگر کوشش ناکام۔ یہ دانتزور کام نہیں ہو سکتا کہ "اموی سلاطین

کے مقابلہ میں یہ پروپیگنڈے کے طور پر کچھ کام دیسکتا تھا۔ اور بھگت سنگھ زندہ باد اُس وقت کیلئے مفید تھا مگر اب اِس کی کیا ضرورت ہے "جس پروپیگنڈے نے سلاطین اموی اور شاہانِ عباسی کی بیخکنی کی اور اُن کی شوکت وجبروت کو بیخ وبُن سے اُکھاڑ ڈالا تو اب اُن کے نام لینے والوں اور اُن کی سُنّتوں کو زندہ کرنے والوں کی کاغذی کوششوں کے مقابلہ میں کیوں اوسی پروپیگنڈے کی ضرورت نہیں ہے؟ جب تک امام حسینؑ کی عزاداری کی مخالفت کرنیوالے دنیا میں موجود ہیں اُسوقت تک آپ ہی کے اس مُسلّم قول سے اس پروپیگنڈے کی بھی ضرورت ہے یہ پروپیگنڈا دمشق وبغداد کو برباد کرچکا "مدینہ بجنور" ابھی باقی ہے۔ سخت وصعب کام ہوچکا اب ہلکا سا کام رہگیا ہے۔ دارالخلافہ ودارالامارہ مٹ چکا۔ دارالادارہ ابھی باقی ہے امارت نابود ہوچکی ادارت ابھی موجود ہے ع یہ ہے تو ابھی راہ میں ہے سنگ گراں اور۔ (غالب)

انشاء اللہ تعالیٰ یہ پروپیگنڈا اسکو بھی چکنا چور کرکے چھوڑیگا۔ ع

کہ اب دارالاماں شام ونجد وقیرواں کب تک۔ (شبلی)

زندہ مجاویدکا ماتم اور لذّتِ غم

یہ غلط اور بالکل غلط ہے کہ رونے والے کسی مردہ کو روتے ہیں۔ مرنیوالے کو ہم بھی اتنا ہی روتے ہیں جتنا ساری دُنیا کے۔ رونے والے اپنے مردوں کو رویا کرتے ہیں۔ یہ چالاکی عجب چالاکی ہے کہ قرآن سے یہ ثبوت دیکر غم کرنے سے روکتے ہیں کہ شہداء زندہ ہیں اور آرام وراحت سے ہیں کہیں زندوں کو بھی کوئی روتا ہے اور ماتم کرتا ہے؟ مردوں کو رویا کرتے ہیں وہ تو زندہ ہیں۔ اجی جناب! ہم زندوں کو ہی روتے ہیں مرے مردوں کو رویا کرتے ہیں آپ ہم اگر مردوں کو روتے تو تیرہ سو برس والوں کو نہ روتے بلکہ اُن کے بعد جو ہزارہا ہمارے اسلاف وبزرگ عزیز مر گئے اور مرتے رہتے ہیں ساری دُنیا کے معمول سے زیادہ ہم بھی نہیں روتے مگر شُہداء کو اسی لئے روتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں۔

سُنتے ہیں۔ دیکھتے ہیں۔ رزق وروزی پاتے ہیں حُسینؑ کا نام حُسینؑ کا ذکر اس طرح رات دن ہم میں ہوتا رہتا ہے جیسا کہ آجکل کے کسی زندہ اور موجود معزز و محترم شخص کا ذکر کیا جاتا ہے اور جو ہزاروں سال کے گذرے ہوئے شخص کی طرح کبھی محتاج تعارف نہیں ہوتا حسینؑ کا نام اس طرح نہیں لیا جاتا کہ کسی زمانہ میں ایک بزرگ مقدس اور خدا پرست شخص تھا جس کا نام حُسینؑ تھا۔ نہیں بلکہ اس طرح کہ حُسینؑ نے یہ فرمایا اور یہ کیا یوں گئے اور یوں شہید ہو گئے۔ ہم تعزیت کرتے ہیں اور اُن کے دردانگیز صدمات پر اظہار غم کرتے ہیں۔ اظہار ہمدردی کرتے ہیں اور وہ ہمکو اپنا شریک درد و غم تسلیم کرتے ہیں۔ وہ ہم میں ہیں اور ہم اُن میں ہیں۔ ہم اُن کو یاد کرتے ہیں اُن کی جوش محبت میں آرزو کرتے ہیں کہ ہم بھی کربلا والوں کے ساتھ کیوں نہ ہوئے کہ اُسی مردانگی سے اُن صدمات کو برداشت کر کے اِن تمام حالات میں اُن کا ساتھ دیتے اور شہید ہو جاتے۔ یہ گریہ گریۂ تأسف ہے۔ گریۂ شجاعت ہے۔ گریۂ مردانگی ہے۔ گریۂ محبت ہے۔ گریۂ ہمدردی ہے۔ رونے والے جتنا زیادہ روتے ہیں شوقِ گریہ اور زیادہ ہوتا ہے ؎

غم کھاتا ہوں لیکن مری نیت نہیں بھرتی ؛ کیا غم ہے مزے کا کہ طبیعت نہیں بھرتی

تم بے حس پتھروں کو کیا معلوم کہ غم میں کیا لذت اندوزیاں اور ماتم و نوحہ خوانی میں کیا شیریں کامیاں ہیں؟ چہ داند لذت خار مغیلاں ؛ سیہ روزے کہ دامانے ندارد

Our Sweetest Songs are those
that tell of saddest thought
"Shelley"

ہمدردونکا اتنا شوق ہے کہ رونے کے لئے اہتمام کرتے ہیں انتظام کرتے ہیں آرائش

کرتے ہیں ہزار ہا روپیہ صرف کرکے اسباب مہیّا کرتے ہیں کہ کسی طرح ہم فرزند رسول کے غم انگیز واقعات پر روئیں۔ یہ شوق بجائے خود نہایت حیرت انگیز ہے جس کو زمانہ کی دست درازیوں نے بڑھایا تو ہے مگر گھٹانے پر قادر نہ ہو سکا اور نہ ہو سکیگا کیونکہ یہ زندہ اور موجود شخص اور ذی حس ہستی کا غم ہے۔ کسی مرے ہوئے مردہ کا غم نہیں ہے

گھٹایا جتنا بڑھی اُسی قدر عزاداری ✣ وہ کیا مٹائینگے جو آجتک گھٹا نہ سکے

بزرگان خدا کا وسیلہ | یہ عجب مکاری ہے کہ اگر ہم ان زندہ برگزیدگان خدا کو خدا رسی کا وسیلہ قرار دیتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ "تم مردوں سے توسّل کرکے حاجات برآری کی اُمید رکھتے ہو۔ کیسی غلطی کر رہے ہو۔ کیسی بدعت کرتے ہو وہ تو مردہ ہیں۔ سُن نہیں سکتے کچھ کر نہیں سکتے" اور اگر ہم اُن کے صدمات پر غم کرتے ہیں تو اُن کے زندہ ہونیکا ثبوت دیکر کہا جاتا ہے کہ "کیا کہیں زندوں کا بھی ماتم کیا جاتا ہے" بندۂ خدا! ایک ہی بات کہنا چاہیئے یا تو شہداء کو زندہ ہی سمجھ یا مردہ ہی کہہ۔ اصل یہ ہے کہ بیشک شہداء زندہ ہیں اور ہم زندوں ہی کو وسیلہ قرار دیتے ہیں۔ اور زندوں ہی کے صدمات کا غم کرتے ہیں۔ ؎

کسی کے مرگ پر سودائے کیجیے چشم تر ہرگز ✣ بہت سارویئے اُن پر جواس جینے پہ مرتے ہیں

دام تزویر | اس تدبیر پر تزویر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو اس غم میں ہمارا رونا ناگوار و معیوب معلوم ہوتا ہے۔ کچھ آپ کو اس سے تکلیف پہونچتی ہے۔ لیکن کیوں؟ قاعدہ تو یہ ہے کہ اگر کوئی کسی پر ہنسے تو جس پر ہنسا جائے اُسکو ناگوار معلوم ہوتا ہے بُرا مانتا ہے اور شکایت کرتا ہے کہ یہ ہم پر ہنستے ہیں۔ مگر ماشاءاللہ آپ رونے سے چڑھتے ہیں۔ حالانکہ از روئے فطرت رونے والے سے دُنیا میں سبکو ہمدردی ہوتی ہے مظلوم کے نالۂ و فریاد سے سوائے ظالم کے سبکو ہمدردی ہوتی ہے اور مانعین عزا رونے سے اسلئے چڑھتے ہیں

کہ مظلوموں کی فتح کا اعلان اور ظالموں کے ظلم بھری شکست کی داستان ہر نالۂ و شیون میں دہرائی جاتی ہے۔ ؎

رونا نہیں یہ اصل میں ہے فتح کا اعلان ✤ ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

صبر کسکو کہتے ہیں | کبھی کسی نے دنیا میں صدمہ پہونچنے پر بجائے غم کے خوشی کی ہو۔ اگر کسی باپ نے بیٹے کے مرنے پر قہقہے لگائے ہوں۔ مسرّت کی ہو۔ عید منائی ہو۔ اگر اولاد نے ماں باپ کے دستِ شفقت کے سر سے اُٹھ جانے پر مسرّت و انبساط کے نعرے لگائے ہوں۔ اگر کسی غلام نے آقا سے ایسی دردانگیز مفارقت کے بعد خوشی منائی ہو تو ہم سے بھی یہ فرمائش کیجائے بشرطیکہ باپ شفیق باپ ہو۔ اولاد سعید اولاد ہو۔ غلام باوفا غلام ہو۔ پدر پدرِ نامہربان اور اولاد اولادِ ناخلف اور غلام غلامِ بے وفا و نابکار نہو۔ ورنہ یوں تو بہت سے ماں باپ اپنی اولاد کو اور بہت سی اولاد اپنے والدین کو اور بہت سے بھائی بھائی کو اور اکثر زوجہ شوہر کو اور شوہر زوجہ کو اور غلام اپنے آقا کو باپ اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے نہایت بیدردی سے دُرّے لگاتے لگاتے جان سے مار دیتے ہیں اور مرے پر سو دُرّے کی مثال سچی کر کے قتل کر ڈالتے ہیں گولی مار کر ہلاک کر دیتے ہیں زہر پلا دیتے ہیں اور آہ تک نہیں کرتے۔ کیا یہ اُنکا فعل کسی تعریف کا مستحق ہے؟ ہرگز نہیں۔ بے شک قابلِ صد لعنت و نفریں ہے۔ اُن کے سینوں میں پتھر ہیں دل نہیں ہیں۔ اگر دل ہے تو دل میں احساس نہیں ہے۔ ؎

کمبخت اگر درد کا حامل نہیں ہوتا ✤ کچھ اور بلا ہوتی ہے وہ دل نہیں ہوتا

تعریف کے قابل تو یہ بات ہے کہ دل ہو اور دلِ حسّاس ہو۔ باپ ہو اور باپ کے سینہ میں شفقتِ پدری سے بھرا ہوا دل ہوا در پھر حمایتِ حق کے تقاضے سے بحکم عقل بیٹے کا اور محبوب بیٹے کا انواع و اقسام کے ظلم سے شہید ہو جانا گوارا کرے تو اس گوارا کر لینے کا

نام صبر ہے۔

مثالِ حسیّ وضاحت اِس کی یہ ہے کہ انسان کے تمام جذبات و احساس صحیح ہوں یعنی احساس صحیح و تندرست ہو۔ بھوک پیاس کا احساس ہو جیسے کسی تندرست آدمی کو بھوک پیاس کی خواہش ہوتی ہو اور پھر بتقاضائے شرافت کھانے پینے سے احتراز کرے اور اپنی بھوک پیاس کے باوجود صحیح احساس کے صبر کرے تو اِس ضبط و تحمّل کا نام "صبر" ہو گا۔ کسی ڈاکٹر نے اگر مریض پر عملِ جرّاحی کیا اور کلوروفارم یا کوکین سے اپنے معمول کو بےحس بنا دیا اور ہاتھ کاٹ ڈالا تو کیا اِس مریض کی تعریف کیجائیگی کہ کسقدر صابر و متحمل اور ضابط شخص ہے کہ ہاتھ کٹجانے پر ذرا موںہہ نہیں بگاڑا اور اُف تک نہیں کی؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ اُسکو تکلیف کا احساس ہی نہیں ہوا۔ قابلِ مدح اور لائق ثنا تو وہ شخص ہے جو تکلیف کا احساس کرے اور پورے طور پر محسوس کرے۔ اپنے زخمی ہونے ہاتھ پاؤں کٹنے بلکہ سر کٹجانے اولاد کے قتل ہو جانے۔ عزیز و احباب بلکہ شیرخوار بچے تک کے ذبح ہو جانے پر یہ جانکر کہ اِسوقت اِن سب تکالیف کو برداشت کرنیکی ضرورت ہے برداشت کرے تو اِس کا نام "صبر" ہے۔ لیکن یہ کیونکر معلوم ہو گا کہ اُسکو تکلیف محسوس ہوئی یا نہیں اس کا کیا ثبوت ہے؟ آنکھ میں آنسو آجانا۔ اگر آنکھیں پُرنم ہو گئیں تو معلوم ہوا کہ اُس نے صدمہ کو صدمہ سمجھکر برداشت کیا ہی۔ اگر وہ ہنستا رہا تو معلوم ہوا کہ اُسکو کوئی تکلیف ہی نہیں پہونچی۔ جب تکلیف ہی نہ پہونچی تو پھر صبر کس بات پر کیا؟ یعنی بغیر احساسِ تکلیف و اذیّت صبر کرنا لایعنی ہے۔

ماتمِ حسینؑ قابلِ فخر ہے اور ثبوتِ شرافت ہمکو اپنے مقتدائے مظلوم و بیکس اور اُس کے یتیم بچوں کی تکلیفوں کا احساس ہے۔ لہٰذا یہ احساس ہمکو رلاتا ہے۔ لیکن روتے جاتے ہیں اور اُنکی قوت برداشت پر فخر کرتے جاتے ہیں۔ نہ وہ باوجود احساس تکالیف پیچھے ہٹے۔ نہ صدمات سے موںہہ پھیرا۔ روتے گئے اور ایک کی لاش اُٹھا کر رکھ گئے اور دوسرے کو گود میں اُٹھا کر لیتے گئے۔

مقابل مجاہد جانباز ثابت کردیا۔ نہ تو رونا اُن کے لئے علامت بے صبری تھا نہ ہمارے لئے باعث ننگ و عار ہے۔ اُن کے لئے خون کا چھڑکاؤ کردینا باعث صد فخر و افتخار تھا۔ اور ہمارے لئے یہ اشک پاشی مایۂ ناز ہے۔ غمِ حسینؑ نے ہمکو رقیق القلب بناکر ہر مصیبت زدہ کا شریک درد و غم بنادیا ہے۔ ہمکو ہر مظلوم ستم کش کا ہمدرد کردیا ہے۔ ظالم سے نفرت مظلوم سے الفت ہمارا شیوہ ہوگیا ہے جو ثبوت شرافت ہے ؎

بجلی گرے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ ✤ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

ممانعت عزاداری کی علت سوچنے والے خود ہی سوچیں کہ کسی مصیبت زدہ پر ہنسنا خاصۂ شرافت ہے یا اُس سے ہمدردی کرنا اور اُسکے رنج میں شریک ہو کر ملول ہونا؟ شرفا اہل عقل و اہلِ انصاف خود اسکا فیصلہ کرلینگے البتہ جو ریپند ظلم دوست طبیعتیں ظالمین کی طرفداری میں ضرور اُن کے مظالم پر پردہ ڈالنے کے لئے ذکر غم کو کبھی بدعت قرار دیکر شرعی حکم سے روکنا چاہتے ہیں کبھی سیاسی فتوے لگاکر غرض طرح طرح سے روکنے کی ناکام کوشش کررہے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ "خود آپ ہی شہید کیا ہے اور آپ ہی اب دستِ تاسّف ملتے ہیں روتے ہیں پیٹتے ہیں کہ ہائے ہائے ہم سے بھی کیا امر قبیح صادر ہوگیا" میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر کسی شخص سے کوئی گناہ سرزد ہوا اور وہ اپنے گناہ پر نادم اور پشیمان ہو کر روئے تو کیا یہ گریۂ ندامت کسی شریعت کے نزدیک ناجائز غیر مشروع اور بدعت ہو سکتا ہے؟ ضرور ہر شریعت میں ممدوح اور مستحسن ہے۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا ہی کہ آپ اِس گریہ کو بدعت ثابت کرنیکے لئے ہر سال بڑے بڑے پوسٹر چسپاں کرکے اخباروں میں ایڈیٹوریل آرٹیکل لکھ لکھکر کیوں منع فرماتے ہیں اگر قصوروار رونے میں اگر گنہگار پیٹتے ہیں تو انہیں رونے پیٹنے دیجئے۔ اپنی آنکھ سے روتے ہیں۔

اپنے ہاتھ سے سینہ زنی کرتے ہیں۔ انہیں کا ہے انہیں کا سینہ ہے۔ نہ معلوم آپ کے کیوں چوٹ لگتی ہے۔ جب تیغ زنی پر آپ مسرت و انبساط تجویز کرتے ہیں تو صرف سینہ زنی سے کیوں ہمدردی فرماتے ہیں؟ ہماری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ اس سینہ زنی کے جلوسوں سے آپ کے ظلم پسند مقتدا جور پیشہ پیشواؤں کی بہیمیت، سنگدلی اور ناپاک بیدردی کی چونکہ قلعی کھلتی ہے وہ آپ سے نہیں دیکھی جاتی۔ ہماری آنکھ سے آنسو ٹپکتے ہیں اور آپ پسینہ پسینہ ہوئے جاتے ہیں مارے خجالت کے عرق عرق ہوئے جاتے ہیں کسی نہ کسی طرح اُن مظالم پر پردہ ڈالنے کی راہیں تلاش کرنیکے لئے بغلیں جھانک رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپنے اگر قتل نہیں کیا تو آپ قاتلوں کے طرفدار اور اُن کے فعل سے رضامند ضرور ہیں ورنہ آپ بھی ہماری طرح کہئے لعن اللّٰہ امۃً قتلتکَ ولعنَ اللّٰہ امۃً ظلمتکَ ولعنَ اللّٰہ امۃً سمعت بذٰلکَ فرضیت بہٖ۔ خدا لعنت کرے اُس قوم پر جس نے اے حسینؑ تمہیں قتل کیا خدا لعنت کرے اُس قوم پر جس نے تمپر ظلم کیا اور لعنت کرے خدا اُس قوم پر جس نے اسکو سُنا اور سُنکر راضی اور خوش ہوا۔ عید مسرت منائی اور اس واقعہ کو لائق ابتہاج و سرور سمجھا ؎

بچتے نہیں ہو پرسش روز حساب سے ٭ قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو

رسولؐ سے جنکو تعلق ہے صرف وہی غم کرتے ہیں

یہ کیسا عجیب فلسفہ ہے اور یہ کیسا غیر معقول منطق ہے کہ ایک شخص کا کلیجہ کٹ گیا ہے۔ راج لُٹ گیا ہے۔ خاندان برباد ہو گیا ہے۔ حقوق تلف ہوئے ہیں ہتک حرمت ہوئی ہے ایکدنمیں بہتّر قربانیاں ہوئی ہیں۔ پردیسیوں پر مسافروں پر غریب الوطن بقصور و بیگناہ سادات آلِ رسولؐ پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں اور آپ اُس سے کہتے ہیں کہ رونا اس غم میں بدعت اور گناہ ہے۔ ؎

اس غم کا ضبط صاحب ماتم سے ہوئیگا ٭ جس کا کوئی چھٹیگا وہ کیونکر نہ روئیگا

آپ فرماتے ہیں " ہنسو اور خوش ہو۔ مسرّت و انبساط کے جلسے کرو عید مسرّت مناؤ مبارکباد دو"۔
شرم! شرم! ذرا غور فرمائیے جنکو اس واقعہ سے ہمدردی ہے۔ جو رسول کو رسول
اور حسین علیہ السّلام کو اپنا مقتدا مانتا ہے اُس کے سامنے یہ شعر اگر پڑھ دیا جائے۔

گھر جلا مال لُٹا خیمے بھی تاراج ہوئے ✦ ایک چادر کو حرم شاہ کے محتاج ہوئے

تو ممکن نہیں کہ اُس سے ضبط ہو سکے اور چیخ مار کر رو نہ دے مگر یہ قیامت ہے کہ مظلوم پر ظلم بھی کرو
اور پھر اُسکو رونے بھی نہ دو۔ اجی حضرت! اب وہ زبردستیوں کا زمانہ رخصت ہوا

نالہ کرنے سے مرا یار خفا ہوتا ہے ✦ یہ بھی مت کہہ کہ جو کہیئے تو گلہ ہوتا ہے

ہماری رواداری ہمکو خاندان رسالت سے تعلق ہے۔ ربط ہے۔ سلسلہ ہے بلکہ قریبی رشتہ ہے
ہمکو ان صدمات کا صحیح احساس ہے۔ ہم سے نہ کہیئے کیونکہ ہم سے ضبط گریہ ماتم ہرگز نہیں ہو سکتا نہیں
اگر ان جانکاہ اور غم افزا واقعات پر آپکو ہنسی آتی ہے اور عید مسرّت منانیکو آپکا جی چاہتا ہے
تو آپ شوق سے ہنسئے اور خوشی سے عید مسرّت منائیے۔ ہم سے یہ ممکن نہیں ہو سکتا ہے۔ ہم باوجود
اپنی سخت دل آزاری کے آپ کو ہنسنے سے نہیں روکتے اور آپ کی عید مسرّت کی تجویز کو بدعت ثابت
کرنے کیلئے آرٹیکل اور پوسٹر شائع نہیں کرتے اسکو خلاف رواداری سمجھتے ہیں اور آپ تعجب ہے
کہ ہمارے رونے کے بھی روادار نہیں ہیں۔ آپ تو اپنے کو علمبردار رواداری بتلاتے ہیں آپ کے نزدیک
یہ شرعی دل آزاری نہ ہوگی جس کا آپ نے محض اپنی خود رائی سے فتویٰ دیا ہے۔ کوئی حوالہ حدیث
و قرآن یا کسی مستند مفتی کا فتویٰ اپنے خود ساختہ قیاس پر اپنے مضمون میں پیش نہیں فرمایا جبکا
دل دکھا ہے اُس کی شریعت سے پوچھئے کہ یہ اُس کی دل آزاری ہے یا نہیں۔ رسول کی شریعت سے
پوچھئے۔ علمائے اسلام سے پوچھئے۔ کتاب سر الشہادتین مصنفہ شاہ عبدالعزیز صاحب۔ صواعق
محرقہ علامہ ابن حجر مکی۔ تاریخ کامل ابن اثیر۔ تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی اور مشکوۃ وغیرہ کو دیکھئے اور پھر

کہ یہ شرعی دل آزاری ہے یا نہیں - میں حوالہ جات کو نقل کر کے مضمون کو طویل کرنا نہیں چاہتا ہوں
اس کے متعلق رسالہ اصلاح کھجوہ - الواعظ لکھنؤ - شیعہ لاہور - الصراط لکھنؤ - اور آپ کے جناب
مولانا ابو الارشد صاحب ممدوح الصدر اور جناب مولانا سید محمد رضی صاحب زنگی پوری کے مضامین
اور پوسٹرس میں بہترین مضامین شیعہ و سنی حضرات کیطرف سے آپ کی تجویز عزیز کے خلاف شائع
ہو چکے ہیں جنکو انشاء اللہ ہم علیحدہ علیحدہ رسالوں اور اشتہاروں کی صورت میں شائع کرتے رہیں گے۔

ماتم گساری کا قرآن سے جواز اگر آپنے قرآن شریف پڑھا ہے تو آپ کو اس آیۂ کریمہ کا خیال رکھنا
چاہئے۔ لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ - خدا دوست نہیں رکھتا ہے
بلند آواز سے برائی کرنیکو مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو - جس سے معلوم ہوا کہ فرقہ مظلومہ کو داستان ظلم کے
بالجہر اعلان و اظہار کرنیکی اجازت دیگئی ہے - اور مظلوم جب نالہ و فریاد کریگا تو ظالم کو ضرور برا معلوم
ہوگا - اور وہ کوشش کرنے پر مجبور ہوگا کہ جو کچھ ہوا سو ہوا داستان ظلم پر اب تو پردہ ڈالدیا جائے بلکہ
اسکو یوم عید اور روز انبساط و سرور قرار دیکر رو کا جائے - چونکہ ہماری ماتم گساری اور نالہ زاری - اس
شہادت عظمیٰ کی تمام خوبیوں اس کی تمام عبرت انگیزیوں اسکی تمام سبق آموزیوں اس کی تمام ایمان
افزائیوں کو دنیا پر جتنا واضح و آشکارا کرتی ہے اتنا ہی آپ کی ظلم پوشیوں ظالمین کی ناحق کوشیوں
ستم پاشیوں بدعت آموزیوں مفسدہ پردازیوں منافقت شعاریوں - سفاکیوں - بیرحمیوں
اور بے ایمانیوں کو بے نقاب کرتی ہے - لہذا مظلوموں کے طرفدار اشاعت واقعات غم انگیز
کے ساعی ہیں اور مانعین عزا ظالموں کی جانبداریوں کے واقعی مجرم ہیں - مہربانی کر کے اگر آپکی آنکھ
میں آنسو نہیں ہیں تو نہ سہی عزیہ سینہ پونچھئے اپنی جبیں سے - ہمکو جن سے روحانی و ایمانی تعلق
ہے انکا ساتھ دیتے ہیں - ہمارے دل کو لگی ہے جب وہ حالات روح فرسا اور واقعات ہوش ربا یاد
آتے ہیں دل میں درد اُٹھتا ہے اور آنکھ سے بیساختہ آنسو ٹپک پڑتے ہیں - ؏

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں + روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

مخالف سنّت یزیدی پر عمل کر کے جشن عید اور دربار یزید منایا کریں مگر ہم تو اسی طرح اُس وقت تک غم مناتے رہیں گے جس وقت تک کہ ہمارا لٹا ہوا راج گئی ہوئی سلطنت ۔ تلف شدہ مال ۔ چھنی ہوئی خلافت ۔ ضبط کی ہوئی حرّیت ۔ مٹی ہوئی حرّیتِ دین جس کی حمایت کیلئے ایسی بے نظیر قربانیاں اور بے بہا خون ارض مقدّس کربلا پر بہایا گیا پھر اپنے مقام اور اصلی مرکز پر اُسی شان و شوکت کے ساتھ واپس نہ آجائیں ۔ اور ہمارا سوراج جو واقعی سوراج ہے ہمکو حاصل نہ ہو جائے الحمدللہ فتح ہو چکی صرف عملدرآمد باقی ہے جس کی زبردست طاقت نے غیر آپ سے بھی منوالیا ہے اور آپکے قلم سے لکھوا دیا ہے کہ

قتل حسینؑ اصل میں مرگ یزید ہے + اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اسلام ماتم گساری ہی سے زندہ ہے	لیکن یہ یاد رہے کہ جو ہر صاحب اپنی جو ہر یوں دکھالیں اور آپ خوش ہولیں مگر کربلا تو بس ایک بار ہوئی ہر وقعہ کربلا پلٹ پلٹ کر نہیں آسکتی ہر بلا کربلا نہیں

ہو سکتی ۔ کیونکہ حسینؑ سا جانباز صبر و استقلال کا کوہ محکم ۔ شجاعت و ایثار کا پیکر تقدّس اور خدا پرستی کا مجسمہ جب تک دوسرا نہ ہو ۔ کربلا وہ ورق نہیں ہے کہ پھر پلیٹ سکے ۔ ورنہ بسیار زندو دنیا یزید یزید تو بے شک اب تک بہتیرے ہیں مگر دنیا حسینؑ کو کہاں سے لے آئے جو آج کل کی بڑھی ہوئی یزیدیت کو اسی اولوالعزمی کے ساتھ شکست دیکر صفحۂ دنیا کو پھر میدان کربلا بنادے ۔ مگر یہ وہی کر سکتا ہے کہ یا وہ حسین ہو یا ہر لحاظ سے اور ہر اعتبار سے حسینؑ کا حقیقی قائمقام اور صحیح معنوں میں حسینؑ کا جانشین ہو ۔ ایک لفظ اگر استعمال کریں تو امام ہو مگر امام وہ امام جسکا مفہوم اصطلاح شیعیت میں امام ہے وہ آجائے تو پھر ایسا رن پڑے اور پھر انشاءاللہ اُس کے علم کے پھریرے کے نیچے وہ گھمسان جنگ ہو اور وہ نعرۂ تکبیر بلند ہوں جنکو نعرۂ حیدری کہتے ہیں جن سے کفر و ضلالت کی بنیادوں کو زلزلہ آجائے اور پھر انشاءاللہ مجاہدان فی سبیل اللہ جو اب رو رو کر یا لیتنی کنتُ معکؑ کہہ کہکر رہجاتے ہیں او

کچھ بن نہیں پڑتا کیونکہ اُس خون ناحق کا قِصاص بے لیں - دل کی اُمنگیں دل ہی میں رہجاتی ہیں -
جسم میں دوڑتا ہوا خون رگہائے شجاعت میں جوش مار کر رہجاتا ہے - سوائے اِس کے کچھ نہیں کہ آنسو
بنکر ٹپک پڑتا ہی - امام آجائے اور وہ صدا بلند کرے کہ یالثارات الحسینؑ اور وہ ہاتھ جو آستین کہنیوں
تک چڑہائے ہوئے سینہ تانے ہوئے - دستے جمائے ہوئے بظاہر اپنا سینہ کوٹ رہے ہیں - لیکن
فی الحقیقت جہاد کی تیّاریاں کر رہے ہیں - تمام شکل مجاہدین کی بنا کر صف آرائی کیئے ہوئے مبارزطلبی
کر رہے ہیں کوئی اتنا ہمّت والا نہیں کہ خم ٹھونک کر سامنے آجائے - جستجو ہی کہ کسی طرح دشمنان اہلبیت کو
پا جائیں تو چبا جائیں اپنے دلوں کے حوصلے اور بڑہی ہوئی شجاعت کے ولولے نکالکر اپنے دلوں کو ٹھنڈا
کریں - مگر کیا کریں مجبور رہجاتے ہیں کسیکو نہیں پاتے اور سارا غم و غصّہ اپنے ہی اُوپر اُتارتے ہیں - اپنے ہی
ہاتھوں سے اپنے ہی سینوں کو مجروح کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہائے افسوس نہ ہوا ہمارے سامنے
وہ نامرد حصین ابن نمیر جس نے شبیہ رسولؐ شہزادہ نوجوان کی چاندسی چھاتی کو نیزے کی آنی سے مجروح
کر کے ضعیف باپ کے دل کو پاش پاش کر دیا - ہمارے نوجوان کہتے ہیں کہ دشمنوں نے حسینؑ کو
اکیلا سمجھ لیا تھا وہ ایک سینہ مجروح ہونے کے لئے تنہا نہ تھا - حیف کہ ہم نہ ہوئے ورنہ اُس سینہ
بیکینہ پر ہزارہا سینہ سپر ہو کر قربانی کے لئے تیار ہوتے -

چونکہ یہ امر مسلّم ہے کہ اَلاَعمَالُ بِالنِّیَّاتِ ہم بہ سبب نیّت صادق و بارادۂ خالص
ضرور کربلا کے مجاہدین میں عنداللہ و عندالرسولؐ شمار ہوتے ہیں اگر آپ کے بہکائے میں آجائیں تو ضرور
ہم بھولجائیں گے کہ ہمکو کسی سے قصاص لینا ہی - اور کوئی اتنا بڑا واقعہ جانکاہ اور حادثہ روح فرسا
ہم پر گذر چکا ہی - جب وہ واقعہ ہی یاد نہ رہے تو اُس کے انتقام کی کسکو فکر رہے گی - اور آپ جیسی
بے فکروں کی باتوں میں آکر ہمارا اصل مطلب فوت ہو جائیگا - قوم مردہ ہو جائیگی ان زندۂ
جاوید شہدار کی غم انگیز شہادت ہی کی یاد تازہ کرتے رہنے کے عمل نے ہمکو زندہ بنا رکھا ہی - اِس

ہیں جیسے قرآن کریم شاہد ہے "وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ - قصاص لینے
ہی میں اے عقل والو زندگی ہے۔" ہم مردوں کو نہیں روتے مردوں کا غم نہیں کرتے۔ زندوں کی
حق تلفی۔ مصائب، اور اپنے ناقابل تلافی ضرر کا انتقام و قصاص لینے کے لئے زندہ رہنا چاہتے
ہیں۔ اور ماتمی جلوس نکالکر مجالس عزا برپا کرکے رقت وزاری اور گریہ وبیقراری سینہ کوبی سینہ زنی
سے اس ذکر کو زندہ رکھتے ہیں۔ اور قصاص وانتقام لینے کیلئے ہر زمانہ کی نسلوں کو آمادہ اور
مستعد رکھنے کی کامیاب کوششیں کر رہے ہیں۔ اُن مظلوموں کو اور اُن کے مصائب کو جنہوں نے اسلام
کو زندہ کردیا بھول کر احسان فراموش ہونا نہیں چاہتے اور نہ ظالموں کے ظلم اور بیرحمی کو فراموش کرکے
خود کو مردہ اور بے حس ثابت کرسکتے ہیں آپ کو ہم یہ کیوں سمجھائیں کہ قصاص میں حیات کیونکر ہوئی اس کے
سمجھنے کیلئے خود خدا نے عقلمندوں ہی کو مخاطب فرمایا ہے۔ وہ اولوالالباب اور صاحبان عقل سمجھتے
ہیں کہ ہمارے آجکے یہ ماتمی دستے کل کے دن انشاء اللہ فوجی رسالے ہوں گے۔ اور اسوقت کے
نوحہ جات غم نعرہ ہائے جنگ ہوں گے۔ اسوقت کی ہائے وائے اور واویلا اُسوقت کی بزن و بگیر
ہوگی۔ ذرا سوچئے کہ جب یہ ہاتھ جوش میں اُٹھتے ہیں اور اپنے سینوں پر رحم نہیں کرتے اور اپنے خون کا
زمین پر چھڑکاؤ کردینے میں دریغ نہیں کرتے تو جب یہ زبردست ہاتھ ہوں اور دشمنوں کے سر و سینے ہوں
تو عاقل سوچیں کہ نتیجہ کیا ہوگا؟ جب اپنے سینوں کی ضربوں کی آوازیں دشمنوں کے کلیجے اب ہلا دیتی
ہیں تو اگر ہم اس فورس کو اس زبردست طاقت کو حریف کی طرف پھیر دیں تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ
یہ جنگ جنگِ اُحد ثابت ہوگی یا جنگ خیبر۔ آج کے ہمارے غم والم کے علم انشاء اللہ کل فاتحانہ نشان
لشکر ہوں گے۔ نشان فتحمندی وفیروزی ہوں گے۔ ہمارے یہی نوحہ ہائے غم نغمہائے مسرت ہوں گے
اور وہ دن ہمارے لئے عیدِ مسرت کا دن ہوگا جب ہم خدا کی حضور میں خوش ہو کر عرض کرتے ہونگے ؎

سینہ کوبی سے زمیں ساری ہلا کے اٹھے ✤ کیا علم دھوم سے تیرے شہدا کے اٹھے

عزیزمن! خوشی وغم۔ ہنسنا اور رونا۔ عید اور محرم سبھی کے لئے ہے۔ یہ نہ سمجھئے کہ ہنسنا آپ کے حصہ میں آیا ہے اور رونا ہمارے لئے ہے۔ رونا سب ہی کو پڑے گا۔ جو یہاں ہنستا ہے وہ وہاں روئیگا۔ اور جو پہلے رو رہا ہے آخر کار اُس کو ہنسنے کا از روئے عدلِ خداوندی ضرور موقع دیا جائیگا۔ آپ کو یہاں خندہ دنداں نما نصیب ہے ہنسئے۔ ہمارا یہ رونا رُلانا آخر میں ہمکو مسرور و شاد کام کرے گا انشاء اللہ ؎

در پس ہر گریہ آخر خندہ ایست ✤ مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

آپ کو اختیار ہے پہلے ہنسئے پیچھے روئیے۔ ہمکو ہماری عقل یہی نیک مشورہ دیتی ہے کہ غم فرزند رسولؐ میں پہلے رو لینا اچھا ہے جس کا انجام مسرّت ہے۔ ۶

کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے

مصلح صاحب کی دوُرخی چالیں	یہ فرمائش کہ "ہمدردان امام حسینؑ کو غم نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس واقعہ کو سُنکر خوشی منانا چاہئے۔ یہ واقعہ بہت پُرانا ہوگیا۔ اگر رونے کی ضرورت بھی تھی

تو کسی وقت تھی اب نہیں رہی" کس قدر عجیب ہے۔ جنابمن! ؎

تھمتے تھمتے تھمیں گے آنسو ✤ ✤ رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے

یہ غم جانکاہ غم فرزند رسولؐ الثقلین ہے۔ مذاق نہیں ہے۔ کھیل نہیں ہے۔ یہ بےنظیر واقعہ واقعات غم میں تاریخ عالم کے اندر اپنی مثال نہیں رکھتا۔ جیسا واقعہ عظیمُ الشان ہے۔ جیسا شہید شہید عظیم ہے ویسا ہی اُس کی یادگار ہنسی مذاق نہ ہونا چاہئے۔ یہ لٹھ بندی۔ پٹہ بازی۔ ریچھ اور لنگور بننا۔ اکھاڑے اُٹھانا۔ اور اس عشرۂ غم کو دسہرہ کا مماثل کر دینا آپکے سلاطین بنی اُمیہ کی فرمائش سے علماء نفس پرور اور مفتیان بدعت شعار کی ایجاد ہے تاکہ دنیا اس واقعہ پر غم کا اثر نہ لے

اور ان لہو ولعب اور خرافات میں مصروف ہو کر اُدھر سے چشم پوشی اور اعراض کرے جن علماء کی سُنّت اب اخبار "مدینہ" کے صفحات پر نظر آتی ہے جو اب اس روشنی کے زمانہ میں اپنی قلمی قلابازیوں کی تماشہ میں مصروف رکھکر عزاداری و ماتم گساری سے باز رکھنا چاہتا ہے۔ جہاں ہم نے اس واقعہ کا صمیم قلب سے اثر لیا اور ظلم کے حمائتیوں کو اس کے اثر کا خوف ہوا فوراً اُنھوں نے اس متین۔ سنجیدہ۔ سیریس اور گریو (serious + grave) پُر درد واقعہ کو ہنسی مذاق میں اڑا دینا چاہا۔ سال گذشتہ آپ کی عید مسرّت منوانیکی تجویز پر آپ ہی کے ہم مذہب۔ روشن خیال۔ ذی علم اور ماہر علوم مشرقی و مغربی حضرت مولانا ابو الارشاد رفیق احمد صاحب قادری سے جو آپکی "تو تو" میں میں؛ "لحاف اور توشک" کی برابر اشتہاروں اور شیطان کی آنت کی برابر والے آرٹیکلس سے ہوتی رہی اُس سے بھی معلوم ہو گیا کہ ان لٹھ بندیوں۔ پٹہ بازیوں کی ایجاد و حمایت کا ذمہ دار خود آپ کا مذہب ابتک ہے۔

ہم آپ سے بالکل متفق ہیں کہ "محرّم میں لٹھ بندی۔ پٹہ بازی اور دیگر خرافات قطعاً بند کر کے حضرت حسینؓ کی سیرت کے جلسے اور واقعات شہادت بیان کرنیکی مجلسیں منعقد کرنا چاہئیں" "کرنا چاہئیں" آپ کہتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ سیرت حسینؓ کے جلسے واقعات شہادت کی مجلسیں آپ کے یہاں نہیں ہوتیں۔ آئندہ کیلئے آپ ایسی تجویز کر رہے ہیں۔ آپ کی مندرجہ بالا بیان کی ہوئی چیزوں میں سے اگر ان دو باتوں کی نفی کر دیجائے تو صرف لٹھ بندی اور خرافات ہی رہجاتی ہے۔ بس معلوم ہوا کہ یہ دو چیزیں (سیرت حسینؓ کے جلسے اور واقعات شہادت کی مجلسیں) ابتک آپ کے یہاں نہیں ہوئی ہیں بلکہ صرف لٹھ بندی اور خرافات ہی ہوتی ہے۔ تعجب ہے کہ اس پیش کردہ تجویز کے سال بھر بعد ہی محرم ۱۳۵۱ھ کے عاشورہ کے دن لٹھ بندی پٹہ بازی اور دیگر خرافات کے اکھاڑوں کے سپہ سالار اور قائد اعظم خود محترم جناب مولانا نصر اللہ

خانصاحب المتخلص بہ غزنوی - اے مدیر مدینہ بجنور بطور منتظم اور انتظامیہ کیٹی کے صدر اعلی خود اپنی تجویز کے خلاف کس ڈھٹائی سے یہی ذات شریف نظر آرہے تھے اور ذرا نہ شرماتے تھے ناظرین اس تجویز در عملدرآمد - فتوی اور تعمیل قول و فعل کے ایک دوسرے کے برخلاف ہونیکو نوٹ فرمالیں کہ ایسا مسلمان نما ایڈیٹر قانون شریعت میں کس خطاب کا مستحق ہے ؟ اور یاد رکھیں کہ ایسی اخباری تجویزیں کبھی شرمندۂ معنی نہیں ہوا کرتی ہیں -

ہمارے یہاں بحمداللہ ۱۳۱۶ھ سے ابتک سیرت حضرت حسین علیہ السّلام کے جلسے اور مجالس واقعات شہادت برابر ہوتے چلے آرہے ہیں - آپ کی یہ تجویز اچھی ہے ضرور اپنے یہاں بھی اُنکا رواج دیجئے - لیکن چونکہ آپ کے یہاں یہ صحیح معنوں میں کبھی ہوا ہی نہیں جیسا کہ محرم ۱۳۵۱ھ سالگذشتہ کے مدینہ بجنور میں دس فتاوی سیرت حسینؓ کے جلسے اور واقعات شہادت کی مجلسوں کے حرام ہونیکو متعلق آپنے شایع کئے ہیں (حضرات ناظرین ! اس دو سخنے رویہ کو ملاحظہ فرماکر ایک دوسرا خطاب فاضل مدیر کو اس سے بہتر مرحمت فرمائیں) ۱۳۵۰ھ میں تجویز فرمایا کہ خرافات بند کرکے سیرت حسین کے جلسے کئے جائیں اور عید مسّرت منائی جائے اور دوسری سال ۱۳۵۱ھ میں ایسے جلسوں کو حرام قرار دیدیا اور لٹھ بندی پٹہ بازی کے خود بدولت منتظم ہوکر خرافات کی رہنمائی فرماتے رہے اور آخر تک اس جلوس خرافات کے ساتھ رہے - لِمَا تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ

تیرہ ۱۳۰۰ سوسال کی مستقل اور مکمل ھڑتال	جس دنکو آپ خرافات کھیل کود - لہو ولعب اور عید مسّرت مناکر ابتہاج وانبساط اور مبارکباد میں بسر کرتے ہیں ہم لے اس دنکو شہادت

ڈے منایا اور آج سے نہیں منایا بلکہ اُسی دن سے آجتک منایا جارہا ہے - لوگوں کے تو بہت سے خلافت ڈے - تِلک ڈے ، سوراج ڈے اور خدا جانے کون کون ڈے بنے اور بگڑے دن آئے اور دن گئے مگر ہمارا یہ یوم غم ایکہزار ساڑھے تین سو برس سے برابر منایا جارہا ہے - اور

اسطرح منایا جاتا ہے جسکو کمپلیٹ ہڑتال کہتے ہیں۔ جہاں ہمارا ایک آدمی بھی ہوگا۔ اُس دن وہ کوئی کاروبار دنیا نہ کریگا۔ خرید فروخت بند۔ کاروبار معطل۔ دُکان ہے تو دکان بند۔ چولہے میں آگ تک ندارد۔ کھانا پینا موقوف۔ پورا فاقہ۔ بچوں تک کا فاقہ۔ مستورات اپنی آرائش و زینت ترک کرکے۔ زیورات کو بڑھا کر۔ سیاہ ماتمی لباس پہنے۔ صفِ ماتم بچھائے فرش خاک پر سوتی ہیں۔ مرد سر و پا برہنہ۔ گریبان چاک۔ سروں میں خاک۔ سراپا تصویر غم بنے ہوئے کیسی منانے۔ خوش ہونے اور عید منانے کی پرواہ نہ کرکے مالغین عزا کی آباد۔ پُر رونق اور خوش و خرم بستیوں سے رُخ موڑ کر لہو و لعب۔ خرید فروخت اور سیر بازار میں انکو مصروف چھوڑ کر ؎

جہاں میں ہو غم و شادی بہم ہمیں کیا کام ❊❊❊ دیا ہے دل وہ خدا نے ہمیں کہ شاد نہیں

زبان حال سے کہتے ہوئے سر بصحرا چلے جاتے ہیں۔ اور غیر آباد جنگلوں میں اپنے مظلوم آقا اور ایسے ویدہ گار مقتدا کی مصیبت کو یاد کرکے مخالفین کی گرم بازاری سے خاموشی کے ساتھ اظہار نفرت کرتے ہیں۔ مگر اُن کی یہ ضد کہ از رُوئے عداوت اُن جنگلوں کو بھی بازار بنا دیا۔ ہم اُن کے آباد بازار بعد کو چھوڑ کر گئے اور اُنہوں نے دکانیں لیجا کر میدانوں میں میلہ لگا دیا جنگل میں منگل کر دیا۔ آپ کو سوچنا چاہیئے کہ جب اُن کی اِن عملی متواتر اور متوارث کوششوں نے اس یوم غم میں کوئی فرق پیدا نہیں کیا تو آپ کی یہ کاغذی سعی لاحاصل کیا کام دے گی۔ فاضل مدیر کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ طفلانہ کوششیں نادان اور کودن بچوں کو بھی متاثر نہیں کر سکتی ہیں۔ چہ جائیکہ وہ ذی فہم۔ ذی عقل اور صائب الرائے فرقہ جو رہنمایان حقیقی کا دامن تھامے ہوئے ہے اُس کے تو کسی فرد کو دنیا کا کوئی خناس نہیں بہکا سکتا۔

ابھی تو آپ کو مجالس حسینؑ کا اثر بھی معلوم نہیں۔ جب آپ اپنی یہاں مجالس کا رواج دے لینگے تو آپ کی سمجھ میں آجائے گا کہ "وہ صحیح نہیں ہے" جو آپنے فرمایا بلکہ وہ درست ہے جو ہم عرض کر رہے ہے

حضرت حسینؓ کو مقتدا ماننے والا آدمی فطرتاً محزون ہوگا۔ مغموم ہوگا۔ روئیگا۔ گریہ بکا کریگا۔ اگر دشمن حسینؓ نہیں ہے تو ہرگز مسرت نکر سکیگا۔ بے شک فخر کریگا مگر فخر بیجا نہیں۔ روتا جائیگا اور اپنے مقتدا کی بے نظیر عالی ہمتی کے کارناموں پر فخر کرتا جائیگا۔ ہنسنے اور مسرت میں شماتت ہے۔ فخر نہیں بیجا تفاخر ہے۔ حسینؓ مظلوم پر ظلم ہے بالائے ظلم ہمدردی نہیں۔ اللہ اکبر کیسی عبرت کا مقام ہے کہ امام مظلوم نے کھُلم کھُلا دشمنوں سے بھی ظلم اٹھائے اور یہ دوست نما مار آستین بھی اُن کے غمناک واقعات کو سُن سُنکر مسرت اور خوشی تجویز کرکے دوستی کے پردے میں ابتک ظلم کررہے ہیں۔ یقیناً انتہائی مظلومی کے لیئے یہ ہونا بھی چاہیئے تھا۔ اب بہ منت و سماجت از روئے ہمدردی انسانی آخری گذارش ہے کہ تیرہ سو برس کے بعد اب تو یہی مسلمان اُن مظلوموں پر رحم کریں اُن مصیبتوں پر عید منانا مسرت کرنا اور ہنس ہنسکر شماتت کا ظلم کرنا چھوڑ دیں اور جن کے بچوں تک سے ایک گھونٹ پانی بھی دریغ کیا گیا۔ اُن کی ہمیشہ کوششوں پر پانی پھیرنا چھوڑ دیں۔ اُن کی کوششوں کو بارآور ہونے دیں۔ دین اسلام کو پھولنے پھلنے دیں۔ اور ترقی دین کی راہ میں سدّ راہ نہ بن جائیں۔ اس واقعہ کی تمام خوبیاں اُس کی تمام عبرت انگیزیاں اُس کی تمام سبق آموزیاں اُسکی تمام ایمان افزائیاں دنیا پر ظاہر ہونے دیں۔ اپنی کوتاہ نظری سے اس واقعہ کی عظمت و شان کو خاک میں ملانا چھوڑ دیں یعنی اُن کی شہادت پر ماتم کرنے کی بجائے مسرت اور فخر و مباہات کا اعلان کرنے سے خدارا باز آجائیں۔

ماتم گساری کے دنیوی و اُخروی فوائد	جناب مدیر صاحب رہنمایان قوم کو مشورہ دیتے ہیں "کیا وجہ کہ جو قوم اپنے سنہ کا آغاز ہی ماتم سے کرتی ہے پورا سال ماتم و گریہ و مصائب

و آلام میں نہ گذارے۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر اس صورت حال کو بدل دیا جائے تو تنظیم۔ حفظ حقوق۔ فوج جنگ۔ جہاد۔ نشر تعلیم۔ اشاعت اسلام اور تمام معمولی اسباب ترقی کے استعمال کے

بغیر ہی ہماری حالت بدلجائیگی - ہمارے رہنما قوم کی اصلاح حال کے لئے مارے مارے پھرتے ہیں لیکن اِس ذراسی بات پر وہ کبھی غور نہیں کرتے "

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے ✤ ✤ جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

ناظرین! ہمیں اخبار مدینہ کی یہ عبارت نقل کردینے کے بعد کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے اخبار مذکور کی اسلامیت اِن لفظوں سے آپ کو خود معلوم ہوگئی ہوگی - رسم غمگساری کے آپ اسقدر سرگرم مخالف ہیں کہ اُس کے بند کردینے کے لئے تنظیم - حفظ حقوق - ترتیب افواج - نشر تعلیم انتہا یہ کہ خود اشاعت اسلام کو بھی قربان کردینے کی رہنمایان قوم کو فرمائش کررہے ہیں - آپکے تمام طویل وعریض اور پاشان مضمون کا لبّ لُباب - خلاصہ بلکہ نفس منشا یہی چند الفاظ ہیں کہ خواہ حُسینؑ مظلوم کی عزاداری بند کرنے میں اسلام کی تنظیم کو بھی روکنا پڑے - حقوقِ ناس تلف ہوں تو ہوں - قوم میں تعلیم کا نشر نہ ہو - افواج وجنگ وجہاد کچھ نہ ہو اشاعت اسلام اور تمام اسباب ترقی اسلام روکدئے جائیں مگر صرف انسداد ماتم گساری ضرور ہو - ہمدردان اسلام از روئے انصاف بتائیں کہ یہ مشورہ کسقدر دشمن اسلام اور غارتگر دین وایمان ہے ایسا مشیر کسقدر مانع خیر اور بانیٔ شر ہے جسکو خدا کی پناہ اشاعت اسلام کی پرواہ ہے نہ قوم کی بدنظمی اور حقوق کے ضائع ہونے پر نظر ہے - اپنے سارے مضمون کو الفاظِ چرب وچُست سے دلچسپ بناکر بہت کچھ کید آفرینی کی گئی ہے لیکن آخر کار - كُلُّ اِنَاءٍ يَتَرَشَّحُ بِمَا فِيْهِ جو دِل میں تھا وہ ظاہر ہوکر رہا - اور آخر کے اِن چند الفاظ نے آپ کے دعوائے حمایت اسلام کا ثبوت دے ہی دیا سچ ہے کبتک ضبط ہوسکتا - بیچارہ کیا کرتا ہر چہ در دل دارد بگوید - تاڑنے والوں کی گہری نگاہیں آپ کے مضمون کے ہر لفظ میں آپ کے اِسی مدعائے نگارش

آپ کے مطالب کو کھود کھود کر نکال کر روشنی میں ڈال رہے تھے۔ لیکن الحمد للہ کہ خدا نے ہماری
کوششوں کو آپ کے اس مقطع والی عبارت سے آسان کر دیا جسکو ہم دنیا کے منظر عام پر لانا
چاہتے تھے اُسے آپنے خود بخوبی انجام دیدیا۔ شکریہ۔ اہل تحقیق اس نتیجہ پر پہنچینگے کہ تنظیم اسلام
حفظ حقوق۔ نشر تعلیم۔ اشاعت اسلام و دیگر جملہ اسباب ترقی اسلام کا مساوی و مترادف
عمل تنہا ماتم گساری ہے یہی ہم بھی اپنے سارے مضمون میں کہتے چلے آئے ہیں۔ تنظیم بھی اسی میں
ہے اور فوج و جنگ و جہاد کا انتظام بھی اسی میں ہے۔ نشر تعلیم اخلاقِ حسنہ اور اشاعت اسلام
بھی بہترین طریقہ سے اسی غم محرّم میں مضمر ہے۔ اور یہ مشن روحانی و اخلاقی ہے شہدائے محرّم
جو آئیڈیل کیریکٹر (Ideal character) کے بے نظیر نمونے ہیں محرّم میں اُن کے
سراپا جرأت و شہامت و توکّل و تقدّس۔ ایثار۔ وفاداری غرضکہ جملہ مکارم اخلاق اِن اسلام
مجسم کے کارناموں اور ان کی سیرت کے بیان کرنے میں اخلاق الٰہی و تعلیم رسالت پناہی کے
بے مثال نمونے مجلسوں میں شریک ہونے والوں اور کوچہ و بازار میں ماتمی جلوس میں حاضر ہونے والوں
تک پہونچا دی جاتی ہیں۔ کیا شبہ ہے کہ اشاعت اسلام کا بہترین انتظام اسی سے ہے۔ ماتمگساری
کے روکدینے کے معنی ہم کیوں کہیں جبکہ آپ کی آخری عبارت خود اس کی وضاحت کر رہی
ہے۔ ماتمداری کو روکدو تو تنظیم۔ حفظ حقوق اور اشاعت اسلام وغیرہ کے بغیر ہی مسلمانوں کی
حالت بدل جائیگی یعنی بغیر تنظیم اور بغیر تعلیم اور بغیر حفظ حقوق جو حالت کسی قوم کی ہوتی ہے
ماتمداری کے روکدینے سے وہ حالت ہو جائے گی یعنی بالفاظ دیگر بد سے بدتر حالت پر قوم پہنچ
جائیگی۔ تنظیم کی جگہ بدنظمی۔ حفظ حقوق کی جگہ اتلاف حقوق۔ تعلیم کی جگہ جہالت عامہ۔ اسلام
کی جگہ ضلالت۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عزائے امام مظلوم اور محرّم کی ماتمداری ان تمام اسلام کی ترقیوں
کی معین اور حامی ہے اور اسکا روکدینا مانع اسباب ترقی اسلام ہے۔ مسلمانوں کو اختیار ہے

کہ خواہ ماتمداری برپا کرکے اسلام کی ترقی کیلئے کوشاں ہوں یا غم محرم کی بجائے عید مسرت
مناکر اسلام کی ابتری و بدنظمی کے خواہاں ہوں یعنی خدا و رسولؐ کے احکام علمائے کرام کے فتوی سلف
صالحین کے طریقے کو اختیار کریں یا مدیر صاحب مدینہ کے مشورہ فاسدہ پر عمل پیرا ہوں۔ دونوں کا
نتیجہ نفع و ضرر آپ کے سامنے رکھدیا گیا ہے۔

محرم زمانہ غم کیوں ہے

ایجنٹ ہے مدیر مدینہ یزید کا ✤ دیکھا ہے جس نے چاند محرم میں عید کا

معرکۂ شہادت گذر چکا۔ عالم اسلام کی بے نظیر قربانیاں ختم ہو چکیں۔ خاندان رسالت کا چراغ گل
ہو چکا۔ ننھے بچے بھوکے پیاسے مثل گوسفندان قربانی ذبح ہو چکے۔ کربلا والے صبر و استقلال۔
ایثار و تقدس کے نمونے دکھلا چکے۔ حسینؓ آہ بیکس و تنہا حسینؓ۔ بے یار و مددگار حسینؓ۔ دین و ایمان
کا چشم و چراغ۔ رسولؐ کا لخت جگر۔ علیؑ و فاطمہؓ کا نور نظر۔ اللہ کا پیارا۔ عرش اعظم کا ستارہ۔ خدا
کا برگزیدہ بندہ۔ مسلمانوں کا حامی و مددگار۔ سید و سردار۔ بے پناہ شدائد و مصائب کا مقابلہ
کرکے۔ دریائے خونخوار شہادت کو عبور کرکے دنیا کے لئے سبق آموزی او عبرت اندوزی کے
سامان بہم کرکے بیبیوں۔ بہنوں۔ بیٹیوں اور یتیم بچوں کو اللہ کے سپرد کرکے بیرحم مسلمانوں کے
ترحم پر چھوڑ کے اپنا سر نذر اسلام کرکے کار امت سے فارغ ہو چکا۔ اے حسینؓ ؎

سر خود را بہ دست تلف کردی ✤ حاصل عشق ہمیں بود کہ کارے کردی

مردوں میں سے اب کوئی باقی نہیں۔ حسینؓ غریب کا ایک یادگار بیمار نحیف و زار فرزند موجود ہے
ایک چمڑے کے ٹکڑے پر غش میں پڑا ہوا ہے۔ کچھ بیوائیں ہیں۔ یتیم بچے ہیں۔ مسلمان ہیں اور اُن
کے بیرحم تازیانے۔ خیموں میں آگ لگ چکی۔ بھوکے پیاسے بچے سراسیمہ و پراگندہ ہو چکے۔ رسولؐ
کا گھر لٹ رہا ہے۔ دختران رسولؐ کے سروں سے چادریں چھین رہے ہیں۔ نرم دل عورتیں غیرتمند
بیبیاں پردہ نشین خواتین اس قیامت خیز ہنگامہ میں اللہ اکبر کس حسرت و یاس سے

وَامحمّداہ وَاسَیّداہ وَاحُسَیْناہ کی پُر درد صدائیں بلند کر رہی ہیں ؎

ہلتا ہے عرش زلزلہ ہے مشرقین کو + لُٹ کر حرم پکار رہے ہیں حسینؑ کو

یہ سب کچھ بھی ہو چکا ؎

گھر چلا مال لٹا خیمے بھی تاراج ہوئے + ایک چادر کو حرم شاہ کے محتاج ہوئے

اب اہل ستم نے کوچ کی تیاری کی ہے۔ بیکس بیواؤں ستم رسیدہ بچوں کو بے کجاوہ اونٹوں پر جبراً بٹھاکر اُن کے عزیزوں کی بے سر لاشوں پر سے گذارتے ہوئے قدم قدم پر رُلاتے ہوئے اور رونے پر اُن کو ستاتے ہوئے۔ منزل بمنزل۔ دیار بدیار کوچہ و بازار میں پھراتے ہوئے اُس لٹے ہوئے قافلہ کو بر سر عام تماشہ بناتے ہوئے۔ شماتت کرتے اور کراتے ہوئے کوفہ کے بازار اور ابن زیاد کے دربار میں عید مسرت مناتے ہوئے داخل شہر دمشق ہوئے سرکار مدینہ کے گھرانے کی بیبیاں بالوں سے اپنا مونہہ چھپائے بے کجاوہ اونٹوں پر رسن بستہ سوار ہیں اگلے اونٹ کی مہار اُس ضعیف و ناتواں بیمار کے ہاتھ میں ہے جو سر و پا برہنہ۔ سر میں خاک گریباں چاک۔ لڑکھڑاتا ٹھوکریں کھاتا سر جھکائے صبر و شکر کرتا ہوا چلا جاتا ہے۔ سواروں کی بچوں پر بے رحمیاں اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اُف نہیں کرتا۔ آسمان کیطرف نظر اُٹھاتا ہے اور رضاً بقضائہ و تسلیماً لامرہ کہکر سر تسلیم خم کر لیتا ہے۔ بیچ میں خاندان رسالت کی بیبیوں کے اونٹ ہیں ساتھ ساتھ نیزوں پر عزیزوں کے سر ہیں۔ گرد و پیش گھوڑوں پر مسلمانوں کے رسالے ہیں اس شان و شوکت سے رسُول کے گھرانے کی بیبیاں منبر رسول پر بیٹھنے والے جانشین رسولؐ کے گھر اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلی مرتبہ مہمان جا رہی ہیں۔ سرہائے شہداء میں کبھی نیزے پر کسی ماں کے پُر ارمان فرزند نوجوان کا سر ہے۔ کسی نیزے پر کسی مرادوں والی ماں کے شیرخوار گل پژمردہ کا سر ہے کسی نیزے پر بہن کے اولاد سے زیادہ پیاری ماں جائے بھائی کا سر ہے۔

کسی پر کسی یتیم بچے کے شفیق باپ کا نورانی سر ہے۔ اِن اسیروں کے باپ بھائی اور بیٹوں کے سروں کیطرف اگر نظر اُٹھ جاتی ہے دل میں درد اُٹھتا ہے۔ مونہہ سے بیساختہ آہ نکل جاتی ہے۔ تو مسلمان اُن رسول زادیوں کے نوکِ نیزہ سے آنسو پونچھتے ہیں۔ پشت پر تازیانے اور مونہہ پر طمانچے لگا کر یتیموں اور بیواؤں کو خاموش کرتے ہیں۔ شہدا زندہ ہیں یتیم بچّوں پر بیجا ظلم ہوتے ہوئے دیکھکر نیزوں پر سر کانپ اُٹھتے ہیں۔ چہروں سے غضب اور آنکھوں سے جلال کے آثار ظاہر ہوتے ہیں خدا معلوم کیا کر ڈالیں لیکن وہ سر جس پر مظلومیّت اور بیکسی قربان ہورہی ہے۔ اُس کیطرف دیکھتے ہیں اور رہجاتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اِس شان سے اِس دھوم دھام سے یہ جلوس فاتحانہ شادیانے بجاتا ہوا۔ لٹھ بندی اور بٹہ بازی کے کرتب دکھاتا ہوا عیدِ مسرّت کے مظاہرے ابتہاج وانبساط کے نعرے۔ فخر ومباہات کے جیکارے لگاتا ہوا اولادِ رسولؐ کی اِس حسرتناک حالت پر تماشائیوں کو شماتت پر اُبھارتا ہوا شہرِ دمشق کے دروازہ میں داخل ہو۔ اِس جُلوس کی یہ تزک و احتشام بازار شام کی آئینہ بندی جس کا اہتمام ہفتوں پہلے سے حکومت نے کیا تھا۔ بازار مصر کو شرما رہا تھا۔ تماشائیوں کا ہجوم دوکانوں کی رونق کوچہ و برزن کی آرائش راستے مردوں سے اور بالاخانے عورتوں اور بچوں سے پٹے پڑے تھے۔ زرق برق لباس۔ زیور و زینت کے تفاخر نے بازاروں کو جگمگا رکھا تھا۔ گھر گھر میں شادی تھی گھر گھر میں عید تھی۔ اِس ہنگامہ میں اگر کوئی پوچھتا تھا کہ یہ پریشان حال اسیران ترک ہیں یا دیلم کون ہیں؟ انکا کیا جرم ہے؟ جواب دیا جاتا تھا کہ یہ خلیفۂ رسولؐ کے باغی ہیں۔ سُننے والا نامہ اُٹھاتا تھا اور خوشی میں شریک ہو جاتا تھا۔ اگر اِس ہنگامہ میں یہ ماتم گسار اسیر رنج والم نہ ہوتے تو امرِ حق پر پردہ پڑ ہی چکا تھا۔ ایک بوڑھے مسلمان نے پوچھا اور مسرّت کرنیوالے نے حسبِ معمول جواب دیا جس پر اُس بوڑھے نے اُن سروں کو دشمنِ اسلام کہکر بُرا کہا۔ اسیر و بیمار سارباں نے جواب دیا اے شیخ تو نے

قرآن پڑھا ہے۔ اُس نے اقرار کیا تو آپ نے پوچھا قُل لَّا اَسئَلُکُم عَلَیہِ اَجراً اِلّا المَوَدَّۃَ فِی القُربیٰ کی آیۃ بھی پڑھی ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ ہاں ہم قرآن میں پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہم تمہارے رسُولؐ کے وہی قرابتدار ہیں جن کی محبّت خدا نے مسلمانوں پر واجب کی ہے۔ وہ متعجب ہو کر کہنے لگا اَاَنتُم ہُم (کیوں تم وہ ہو) انہوں نے جواب دیا وَاللہِ نَحنُ ہُم (خدا کی قسم ہم وہی ہیں) بوڑھا شیخ سُنکر رونے لگا اور کہنے لگا خُدا لعنت کرے اِس قوم کے بیحیا لوگوں پر جو اپنے رسول کے اقربا کی یہ حالت بنا کر اُن کی مصیبت پر خوشیاں منا رہے ہیں عید کر رہے ہیں جو

لعنت خدا کی عید ہے قتلِ حسینؑ کی !!!

یہ سارباں کون تھا جس نے اس حال میں بھی قرآن کی تعلیم سے حق و باطل مسلمانوں کو سمجھایا یہ وہی حسینؑ کا یادگار بیمار نحیف و زار بیٹا ہے۔ یُوسفِ کنعان محمدؐ بازار دمشق کا سارباں زندانِ بنی اُمیہ کا قیدی ہے۔ یہ زندانی اسلام کا چوتھا امامؑ جس کی آج عزیز شام کے دربار میں پکار ہے جو

یہ جواں غیرت یوسف ہے یہ آزاری ہے ✤ پنڈلیاں سوجی ہیں زنجیر بہت بھاری ہے

یہ جلوس صبح کو بازارِ دمشق میں داخل ہوا تھا لیکن تماشائیوں کے ہجوم لشکریوں کی کثرت اور بازاریوں کی بھیڑ دن نے شام کو قیدخانہ تک پہونچنے دیا۔ رسُولؐ زادیاں کونین کی شہزادیاں باگریہ و بکا تنگ و تاریک بے فرش اور بے چھت اندھیر خانہ میں بند کر کے مقفل کر دی گئیں۔ صبح کو دربارِ یزید میں عید کی تیاریاں تھیں۔ حشم و خدم حاجب و دربان راستوں اور قصرِ یزید کے پھاٹکوں پر تعینات تھے۔ صبح کو ایک رسّی میں باندھکر سب اسیروں کو حاضرِ دربار کیا گیا۔

دربار یزید میں عید | دربار امیرِ شام آراستہ ہے۔ اُونچے۔ وسیع اور پُر تکلف پلیٹ فارم پر سات سو درباری زریں کرسیوں پر چپ و راست بیٹھے ہیں۔ بیچ میں یزید مکلل بجواہر تاج سر پر رکھے۔ زریں اور بیش قیمت عبا دوش پر ڈالے تخت مرصّع پر اجلاس کناں ہے۔ قصر و ایوان

اموی جاہ وجلال کا مرکز بنا ہوا ہے۔ شراب ارغوانی کا دور چل رہا ہے۔ رقص و سرود کی محفل گرم ہے مبارکباد کی دھوم ہے۔ فخر و مباہات کا جشن ہے۔ عید مسرت کا روز ہے۔ دربار کی شان و شوکت سلطان کا رعب و دبدبہ دلوں پر چھایا ہوا ہے۔ قیصر و کسریٰ کی سطوت و جبروت کو شرما رہا ہے دروازوں پر شادیانے بجے۔ سفیران توگ و روم افسران سلطنت اراکینِ دولت سلطان کے حضور میں نذرانے پیش کرنے لگے۔ سامنے ایک طرف رسولؐ زادیاں مجرم و گنہگار کی صورت سر جھکائے۔ رسن بستہ کھڑی ہوئی ہیں۔ واحسرتا! بزم میخوار کجا عترت اطہار کجا۔ اتنے میں افسران لشکر کا داخلہ ہوا۔ شہیدوں کے سر نذرِ سلطانی کے لئے پیش ہونے لگے۔ ایک نذر جو سب سے آخر میں پیش ہوئی طشت طلائی سے جب خوان پوش زرتار بادشاہ کے سامنے پیش کرکے ہٹایا گیا تو دربار نے دیکھا کہ کسی برگزیدۂ خدا مقدس و متقی بندہ کا نورانی سر ہے۔ یزید لعین اُس سر سے مخاطب ہو کر۔ بولا اچھل کے تخت پہ سید تو مر گیا ٭ اے سر بتا وہ تاج امامت کدھر گیا

زینب تری اسیر بہن بے ردا ہوئی ٭ اے سر بتا وہ چادر تطہیر کیا ہوئی

اسیر رنج و محن بہن بھی اسیروں میں رسن بستہ سامنے کھڑی تھی۔ سر جھکائے ہوئے گردش فلک کو دیکھ رہی تھی۔ یہ سنکر سر اُٹھایا دیکھا کہ طشت طلائی میں ماں جائے کا سر بریدہ یزید کے سامنے ہے اور یزید کے ہاتھ میں چھڑی ہے جس سے اُس سر اقدس کے ساتھ بے ادبی کرتا جاتا ہے۔ دین رسولؐ کی مذمت۔ وحی آسمانی کے بطلان۔ کفار بدر کے مقتولین کے انتقام۔ رسولؐ کی رسالت کا بدلہ ان بیگناہوں سے لینے پر فخر کرتا جاتا ہے۔ بھرے دربار میں بیکس و بے بس رسولؐ زادیوں کی حالت زار پر مسرت و شماتت اور اپنی اس فتح پر فخر و مباہات کر رہا ہے۔ ظالم خود ستا اپنی دست و بازو کی داد دیکر اپنی قصیدہ خوانی کرکے آپ اپنے مونہہ میاں مٹھو بن رہا ہے۔ اس ستم زدہ دکھیا بہن نے مباہات و شماتت کے جب وہ اشعار سُنے (جنکو ہم نے آخر مضمون ہذا میں نقل کیا ہے) دل پر قابو نہ رہا۔

اپنے نانا کے دین کی حمایت میں وہ فصیح و بلیغ خطبہ بیان کیا کہ تمام دربار پر سناٹا چھاگیا۔ سکوت کا عالم تھا۔ در و دیوار پر حسرت برس رہی تھی۔ تمام کرسی نشینان دربار محو حیرت تھے ـــ

ای یزید او ظالم اظلم آج تو اپنے اسلاف کفار بدر کو یاد کر رہا ہے کہ وہ ہوتے تو تجھکو قتل حسینؑ کی مبارکباد دیتے اور تیرے دست و بازو کبھی نہ شل ہونیکی آرزو کرتے۔ مگر تجھکو ایک دن آنیوالا ہے جب تو خود کہیگا کہ کاش تیری ماں نے تجھکو جنا ہی نہ ہوتا اور تو اپنے باپ سے پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ اُس دن تو مشلول اپاہج اور گونگا بہرہ ہونے کی تمنا کرے گا۔

وہ موذی مار پیچیدہ کی طرح اپنے تخت پر بل کھانے اور ہونٹ چبانے لگا۔ لیکن کچھ جواب بن نہ پڑتا تھا کہ منہ کھولے۔ آخرش کسی سے پوچھا کہ یہ کون عورت ہی جو اپنی اس شکستہ حالی میں بھی نہ رعب سلطانی سے۔ نہ ہیبت دربار سے مرعوب ہی۔ اور اس فصاحت و بلاغت سی کلام کرتی ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹی رسولؐ کی نواسی حسینؑ شہید کی بہن زینبؑ ہی۔ یزید نے اس معظمہ کو مخاطب کرکے کہا خدا کا شکر ہے کہ اُس نے تمکو ذلیل کیا اور ہمکو اس اوجِ عزت پر پہونچایا کہ ہم اِس شان سے ہیں اور تم اس حال خراب میں۔" جناب زینب کے جواب کو ہم اپنے لفظوں میں عرض کرتے ہیں۔

اے یزید جسکو تو عزت سمجھ رہا ہے یہ عزت نہیں بلکہ ذلت ہے۔ میرے بھائی نے حمایتِ حق اور حفاظت دین اسلام میں شجاعت و شرافت سے اپنی جان قربانکی ہی یہ تیرا فخر بیجا تفاخر ہے۔ بیفائدہ چار دن کی فانی سلطنت پر تو پھولا ہوا ہے۔ جیسے۔ آج ہم تیرے سامنے حاضر ہیں ہماری اس میں کچھ بیعزتی نہیں کیونکہ ہم حق پر ہیں او مظلوم ہیں۔ تو اُس دن کے لئے آمادہ رہ کہ جب تو پیش خدائے عادل با بجولاں اپنے مظالم کی پاداش میں مجرم ہوکر حاضر ہوگا۔ انواع و اقسام کی ذلتوں کے ساتھ واصل جہنم ہوگا اور

اِسی طرح طشت میں تیرے سامنے ماءِ حمیم جہنّم لایا جائیگا اور حکم دیا جائیگا کہ

ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ

او بے عزّت عزیز شام! او ذلیل مجرم! آپ تو اپنی کرتوت کا مزہ چکھ تو ہی تو عزیز ہے کریم ہے!

سچ ہے با آلِ نبی ہر کہ در افتاد برافتاد۔ رسولؐ کے گھر میں ماتم اور جانشین رسولؐ (معاذ اللہ) کے دربار میں عید۔ کیوں یزید پلید! یہ امیر شام کا دربار مسرّت بار نہیں۔ یہ خداوند قہّار کی بارگاہ جلال ہے۔ اِس کا مردود ہر جگہ ذلیل و خوار ہی ہے

عزیزے کہ از درگہش سر بتافت ۔۔۔ بہر در کہ شد ہیچ عزّت نیافت

مسلمانوں کی خدمت میں التماس ہے کہ اِس دربار کی مسرّت اندوزی اور عید فتحمندی و فیروزی کو دیکھکر خود اپنے دل میں انصاف کریں کہ محرّم میں سچّے مُسلمان کو آلِ رسولؐ کا ساتھ دے کر مغموم و محزون رہنا چاہیئے یا عزیز مدینہ کے اغوارے اعلان فخر و مباہات و مسرّت کرنا چاہیئے؟ دونوں طریقوں کی یادگار ابھی تک جاری ہے۔ ماتم گساری غم و الم گریہ و بکا مصیبت زدہ آلِ رسولؐ کا طریقہ ہے جو شہیدِ اعظم کی صحیح یادگار ہے اور لٹھ بندی۔ پٹہ بازی اور خرافات۔ فخر و مسرّت و مباہات و دیگر محرّم کے بدعات یزید ظالم کی یادگار ہے اور پیروان شمر ذی الجوشن کا طریقہ ہے۔

ہمتو آلِ رسولؐ کو ساتھ اپنا حشر چاہتے ہیں جس کا جی چاہے وہ یزید کا ساتھ دے ؎

جس طرف چاہیو لیجائیو اے آلِ رسولؐ ۔۔۔ حشر میں ہاتھ ہمارا ہے تمہارا دامن

شیخ سعدی علیہ الرحمہ بھی ہمارے ہمنوا ہیں خُدا کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں:۔ ؎

اگر دعوتم رد کنی ور قبول ۔۔۔ من و دست و دامان آلِ رسولؐ

تفاخر و شماتت

یا

شامی شوم کی شماتت

اک زمانہ جو ابھی گذرا ہے کل — اک مصیبت تھی بلا تھی وہ اٹل

اُس زمانہ میں تعجب کیا کہ اُونٹ — سوئی کے ناکے سے جاتا ہو نکل

عدل بھی تو ظلم تھا از روئے ظلم — ایک تھا کیا با محل کیا بے محل

حیف اولادِ نبیؐ تو قتل ہو — تخت پر بیٹھے یزید پُر دغل

شام کا حاکم یزید رُو سیاہ — شاد ہو ہو کر بجاتا تھا بغل

منبرِ احمد پہ بندر کی طرح — کودتا تھا اور پڑتا تھا اچھل

کر رہا تھا فتح کا دربار عام — دورِ جام مے رہا تھا اُس میں چل

کس قدر مجمع تھا اُس کے قصر میں — صُورتہ ورخ کھچا کھچ تھا محل

قصر میں درباروں کا ہجوم — اور پرے پر تھے لشکروں کے دل

پر تکلف جشن میں تھے سات سو — کرسیوں پر جلوہ گر اہلِ دول

شام کا حاکم یزید رُو سیاہ — قتلِ سیّد پر بجاتا تھا بغل

مست ایسا ہو گیا پی کر شراب — آگیا ایسا حواسوں میں خلل

شاعری سے واسطہ؟ خود شاہ کو — فخریہ بکنے لگا وہ بے محل

کون جانے اُس کی کیا بکواس تھی — یہ قصیدہ تھا کہ قطعہ یا غزل

یا غراب البین ما شئت فقل — انما تندب امرا قد حصل

ان اشیاخی ببدر لو رأوا — جزع الخزرج من وقع الاسل

لاهلوا واستهلوا فرحا — ثم قالوا یا یزید لا تشل

قد قتلنا القرم من ساداتهم — وعدلناه ببدر فاعتدل

لست من خندف ان لم انتقم — من بنی احمد ما کان فعل

لعبت هاشم بالملک فلا — ملک جاء ولا وحی نزل

(کتاب الاغانی صفحہ ... سید الشہداء صفحہ ۲۹۵ و مفتاح النجاۃ و تذکرہ ...)

یہ تو تھے شامی زباں میں ہزلیات — اب سنو اردو میں بھی اس کی زٹل

یا غراب البین کہتے ہے محل — بین تیرے اس پہ جو گذرا ہے کل

کاش میرے بدر والے دیکھتے! — کیسے نیزوں سے گرے خزرج کے پل

کیا مبارکباد دیتے وہ شیوخ — مارے شیخی کے وہ سب پڑتے اچھل

اور کہتے ہو مبارک انتقام — اے یزید شوم شامی بے بدل

واہ واہ یہ زور بازو واہ واہ — واہ ہو تیرے بل بے تیرا زور بل

پھر وہ کہتے ہو ترا بازو نہ شل — ثم قالوا یا یزید لا تشل

قتل کرکے سید مظلوم کو — بدر کا ہم نے کیا پورا بدل

کون کہتا پھر امیہ کا سپوت — تھا بنی خندف کے نطفہ میں خلل

قتل کرتا جو نہیں سادات کو — کونسا تھا مونہہ دکھانے کا محل

آل احمد سے لیا پورا قصاص — مار ڈالے ننھے بچے بے اجل

ملک بازی تھی بنی ہاشم کی سب — تھے فرشتے اور وحی سب احمد کے چھل

بدر کے کفار کا قاتل نبی — اس کو کھنا چاہیے تھا اس کا پھل

ہاتفِ غیبی نے دی بڑھکر صدا
مارِ موذی کی طرح کھاتا ہی بل

چُپ نہ ہوگا بدزباں خاموش باش
بلبلاتا ہے لعین مثل جمل

آپ اپنے موںہہ میاں مٹھو نہ بن
خودستائی عیب ہے اور بدعمل

یہ قصیدہ خوانیاں دینگی مزا
یہ شماتت یہ مسرت تجھکو کل

جب تجھے پیشِ عزیزِ ذی انتقام
کھینچکر لائیں ملک جو توڑکے بل

وہ غضب اخذ ملیک مقتدر
سہل ہیں جس سے کہیں لاکھوں اجل

پھر ملائک لیکے گُرزِ آتشیں
سر پھنیلا مار کر ڈالیں کچل

تب ملک اور وحی کا ہوگا یقیں
جب جہنم میں گرے تو موںہہ کے بل

او یزید بے حیا تو ہے عزیز
اپنے کرتوتوں کا چکھا تو نے پھل

یَا یَزِیْدُ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ
اَلْکَرِیْمُ ذُقْ عَذَابَ الْمُزِلْ

اک مدینہ میں ہے ہمزاد یزید
اور ہزاروں اُس کے چیلے بدعمل

اب وہیں ہر سال ہے دربارِ شام
ہے وہیں عیدِ مسرت بے محل

کر رہا ہے دیکھئے تائید قول
فارسی کا شعر یہ ضرب المثل

یک حُسینے نیست کو گردد شہید
ورنہ بسیار اند در دنیا یزید

مکہ میں نجد نجد میں بیت الحرام ہے
مجبور میں مدینہ مدینہ میں شام ہے

کیا کیا ہیں انقلاب محرم سعید ہے
روزِ غمِ حسینؑ اب عیدِ الحرام ہے

آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (جنوری [illegible])

"مُنافِق مُسلمان"

اس سُرخی کو پڑھکر آپ تعجب فرمائیں گے کہ کون مسلمان منافق ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ یہ کسی مخصوص و معین شخص کا نام نہیں ہے بلکہ مُنافق مسلمان ایک پنجہزاری انعامی رسالہ کا نام ہے جو رسالہ مومن مسلمان کا دنداں شکن جواب ہے۔ شیعوں کے عقائد پر جو اعتراضات ایک معترض نابصیر نے کئے تھے اور مطالبہ کیا تھا کہ شیعہ اپنے اصول دین قرآن مجید میں اسی طرح دکھائیں جیسے کہ ہم اپنے ارکان ایمان دکھاتے ہیں۔ اُس کا اعتراض تھا کہ عدل و امامت شیعوں کے خود ساختہ اُصول ہیں۔ قرآن سے ثابت نہیں الحمدللہ کہ ہم نے اپنے اصُول دین کو قرآن مجید سے ثابت کر دیا۔ اور حریف کے اصول مذہب کا جس طرح تجزیہ کیا اور تحقیق کی کسوٹی پر کسا ہے اس رسالہ کے بغور مطالعہ کرنے ہی سے معلوم ہو گا۔ علی الخصوص عدل و امامت کی بحث نہایت دلچسپ اور انوکھے طریقہ سے پیش کی گئی ہے۔ مولوی عبدالشکور صاحب نجمی کی مدتِ دراز کی رٹ کہ شیعوں کا ایمان بالقرآن اور عمل بالقرآن ناقص ہے اور شیعہ کبھی نہیں ثابت کر سکتے خدا کے فضل سے اس کا جواب نہایت مُسکِت۔ مبرہن اور واضح آسان او مختصر اس طرح پر دیا گیا ہے کہ اس سے قبل ایسا جواب نہیں دیا گیا تھا۔ تحریف قرآن۔ مسئلہ خیر و شر۔ آمنت باللہ۔ نماز میں ہاتھ کھولنا اور ہاتھ باندھنا۔ یہ سب مسائل اس چھوٹے سے رسالہ میں دیکھنے کی قابل ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ یہ رسالہ ہر مسلمان کو حلیۂ منافق مسلمانوں کی شناخت کرا دینے کا نہایت آسان ذریعہ ہے جبکا ہر مومن مسلمانوں کے پاس جسکو منافق مسلمانوں سے سابقہ پڑتا رہتا ہو ہونا ضروری ہے۔ کاغذ سفید چکنا۔ لکھائی چھپائی عمدہ ۲۲×۱۸ کی تقطیع کے چالیس صفحات پر ماہ دسمبر ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا۔ قیمت صرف ۳ ملنے کا پتہ:۔ سید سمیّ الذبحین۔ جانسٹھ ضلع مظفر نگر (یو۔ پی)